ماہنامہ

# محدث

بنارس

| شمارہ/۲ | صفر المظفر ۱۴۳۰ھ | فروری ۲۰۰۹ء | جلد/ ۲۷ |
|---|---|---|---|

مدیر

**عبدالوہاب حجازی**

پتہ

**دارالتالیف والترجمہ**

بی ۱۸/ ۱ جی، ریوڑی تالاب

وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

**بدل اشتراک**

سالانہ ۱۲۰/ روپے

فی پرچہ ۱۲/ روپے


○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔

## اس شمارہ میں


| | | |
|---|---|---|
| ۱-درس قرآن | عبداللہ سعود بن عبدالوحید | ۲ |
| ۲-درس حدیث | مولانا عبدالسلام مدنیؔ | ۳ |
| ۳-افتتاحیہ | مدیر | ۴ |
| ۴-نبی رحمت ﷺ اور حقوق نسواں | ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری | ۶ |
| ۵-بدشگونی وبدفالی سے ممانعت | امام حرم | ۱۳ |
| ۶-نواب محمد صدیق حسن خاں...... | مولانا عبدالوہاب حجازی | ۱۷ |
| ۷-مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ...... | مولانا اسعد اعظمی | ۲۱ |
| ۸-محفل میلاد: ایک فکری وتجزیاتی... | ڈاکٹر محمد یونس ارشد | ۲۶ |
| ۹-اکیسویں صدی میں خواتین...... | کبیر السلام پاکوڑی | ۳۰ |
| ۱۰-وضو کے احکام ومسائل...... | مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی | ۳۵ |
| ۱۱-مولانا عبدالباری صاحب جھمکاوی | مولانا محمد حنیف مدنی | ۳۹ |
| ۱۲-جدید سائنسی ایجادات...... | راشد حسن فضل حق مبارکپوری | ۴۲ |
| ۱۳-اخبار جامعہ وجماعت | | ۴۶ |
| ۱۴-باب الفتاوی | نورالہدی عین الحق سلفی | ۴۷ |


---

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

# مسلمانو! صحیح وسیلہ تلاش کرو

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوْا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴾ (مائدہ:۳۵-۳۶)

اے مومنو! اللہ (کے عذاب) سے ڈرو اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے (نیک اعمال کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب رہو۔ یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل اور بھی ہو اور ان سب کو قیامت کے دن کے عذاب کے بدلہ فدیہ میں دیں تو یہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

یہ سورہ مائدہ کی دو آیتوں کا تذکرہ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئیں، پہلی آیت میں مومنوں سے خطاب کرکے اللہ سے ڈرنے کے ساتھ ساتھ وسیلہ ڈھونڈھنے کی بات کہی گئی ہے، دوسری آیت میں کافروں کے دردناک انجام کو بتایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ ساری دنیا کے خزانے بلکہ اس جیسے اور خزانے بھی فدیہ یا نذرانہ میں دیں تو یہ قبول نہیں ہوگا، اور عذاب الٰہی سے بچانے میں یہ کچھ کارگر نہیں ہوگا۔

پرانے علماء کی تفسیروں میں اور فقہاء کے بیان سے یہ واضح ہے کہ مذکورہ آیت میں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں ایک غار کا واقعہ ہے جس میں تین آدمی پھنس گئے تھے، ان تینوں نے بھی اللہ سے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر دعا کی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی تھی۔ اس آیت کریمہ کے اولین مخاطب صحابہ کرام تھے، ان لوگوں نے بھی اس سے نیک اعمال ہی مراد لیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی کی وفات کے بعد ایک بار آپ کے چچا کو ساتھ لے جاکر استسقاء کی نماز ادا کی، اور کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ کسی نے کسی فوت شدہ انسان کو وسیلہ بنایا ہو یا کسی فوت شدہ نبی یا ولی کو وسیلہ میں پیش کیا ہو۔ اس آیت میں لفظ وسیلہ کو دلیل بنا کر جو لوگ بزرگوں کو وسیلہ بناتے ہیں اور مزاروں پر عرس یا نذر و نیاز کرتے ہیں، ان کو اس کے بعد کی آیت پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اگر ہمارا ایمان صحیح نہیں رہا یا ہم نے قرآنی ہدایات کو نہیں مانا تو کوئی چیز بھی چاہے دنیا کا سارا خزانہ ہم پیش کریں قبول نہیں ہوگا اور ایسی صورت میں ہم اللہ کے عذاب سے بچ نہیں پائیں گے۔ مزارات پر نذر و نیاز اور ان گذرے ہوئے بزرگوں سے دعا کرنا یا منت ماننا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ سورہ مائدہ کی مذکورہ آیتوں سے مسئلہ کو سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن مجید کے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

درس حدیث:۱۲۲

# سنت اور بدعت

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

**عن** العرباض بن سارية، قال: صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم، ثم أقبل علينا بوجهه، فوعظنا موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب. فقال رجل: يا رسول الله! كأنه هذه موعظة مودع، فأوصنا. فقال: أوصيكم بتقوى الله، والسمع والطاعة، وإن كان عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي، وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. رواه أحمد، وأبوداود، والترمذي، وابن ماجه، إلا أنهما لم يذكرا الصلاة. ( مشكاة ج ۱ ، ص ۳۰ )

قال في المرعاة: رواه ........... ، والترمذي في العلم، وقال: حديث حسن صحيح .......... (مرعاة ج۱، ص ۲٦٥)

**ترجمہ:** حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر مصلیان کی طرف متوجہ ہوکر بڑا موثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور دل کانپ اٹھے، ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! گویا کہ یہ رخصت کرنے والے کا وعظ ہو، تو ہمیں وصیت فرمائیے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم سب کو اللہ کے تقوی کی وصیت کرتا ہوں، اور (امیر وقت کی) سمع وطاعت کی تلقین کررہا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، تو اپنے آپ پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طور وطریقے کو لازم کرلو، سنت کو تھام لو، اور اسے خوب مضبوطی سے پکڑلو، اور دین میں نئی باتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، اس لئے کہ شریعت میں ہر ایجاد کردہ بات بدعت ہے، اور ہر بدعت (شرعیہ) گمراہی ہے۔ (احمد، ابوداود، ترمذی، ......، حدیث حسن صحیح)

**تشریح:** حدیث پاک سے اتباع سنت کا تاکیدی حکم، اور بدعت سے اجتناب کا واضح ثبوت ہورہا ہے، سنت نبوی سے مراد آپ ﷺ کے جملہ اقوال، افعال، تقاریر (صحابہ کے وہ اعمال جن پر آپ ﷺ نے صاد کیا ہو) اور صفات ہیں، اس لئے یہ لفظ واجبات وفرائض، نوافل ومستحبات سب کو شامل ہے، اس سے صرف مندوبات ہی مراد نہیں ہیں۔ اور خلفاء کے وہ طور وطریقے مراد ہیں جو انہوں نے اتباع سنت نبوی کے تحت انجام دیئے ہیں، اسی لئے ان کی صفت "الراشدين المهديين" ذکر ہوئی ہے یعنی رشد وہدایت یافتہ۔ اور بدعت سے مراد بدعت شرعیہ ہے لغوی بدعت (نئی چیز) نہیں، ارشاد نبوی ہے: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (متفق علیہ) یعنی جو انسان امر شریعت میں ایسی چیز نئی نکالی جو دین سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ (بخاری ومسلم)

صاحب مرعاۃؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: أي من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه. (مرعاۃ ج۱ص۲۳٦) یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو انسان اسلام میں ایسی رائے نکالی جس کی کتاب وسنت سے بظاہر یا خفی یعنی صریح الفاظ میں یا مستنبط دلیل نہ ہو تو وہ رائے اس انسان پر رد کردی جائے گی۔

رب العالمین! پوری امت مسلمہ کو اتباع سنت، اور بدعت سے اجتناب کی توفیق عنایت فرما، آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

# نادار مومن
# کا رتبہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں

انسانی معاشروں میں کئی تفریقوں کے ساتھ امیر اور غریب کی تفریق ہمیشہ پائی جاتی رہی ہے، آج کی مادہ پرست دنیا میں یہ تفریق سخت روح فرسا ہے، غریبوں کے ساتھ حیوانوں کا سا معاملہ روا رکھا جاتا ہے جب کہ کرۂ ارض پر غریبوں کی اکثریت آج بھی ہے اور یہی اکثریت امیروں کی شان وشوکت کا سبب ہے، اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات جہاں یہ ہیں کہ غریبوں کو ان کے پیروں پر کھڑا کیا جائے ان سے اچھے تعلقات رکھے جائیں وہیں ان کے ایمان واخلاص اور عبادت وریاضت کے سبب ان کا یہ درجہ بھی بتایا گیا ہے کہ ناداری کے سبب وہ کوئی کمتر مخلوق نہیں بلکہ اللہ ورسول کی نظر میں وہ بڑا ہی اونچا مقام رکھتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے خود اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو اس بارے میں تاکیدی حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشي يريدون وجهه، ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحياة الدنيا، ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا، واتبع هواه وكان أمره فرطا﴾ (الکھف:۲۸)

اور اے نبی محمد اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادے رکھتے ہیں، تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کی ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا، اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔

نبی کو یہ حکم ان صحابۂ کرام سے متعلق ہے جو غریب تھے، قریش کے امیر وشریف لوگ آپ سے کہتے ان کمزور لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹاؤ تاکہ ہم آپ کی بات آکر سنیں، تبلیغ دین کی لالچ میں آپ کے دل میں کچھ خیال آیا لیکن اللہ تعالی نے نہایت سختی سے منع کر دیا، سورۂ انعام آیت ۵۲ رمیں اللہ تعالی نے اور سختی سے نبی کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، خاص اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں، ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں ورنہ آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے'' اس آیت سے مقصد امت کو سمجھانا ہے کہ نادار لوگوں کو حقیر جاننا ان کی صحبت سے بچنا اور ان سے تعلق نہ رکھنا اہل ایمان کا طریقہ نہیں بلکہ نادانوں کا طریقہ ہے، وہ اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں چاہے وہ غریب ومسکین ہی ہوں۔

معاشرہ کے کمزور اور نادار مسلمان کی خبر گیری کے لئے دوڑ دھوپ کو جہاد قرار دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله، وأحسبه قال: وكالقائم الذى لا يفتر وكالصائم الذي لا يفطر۔ (متفق علیہ)

بیواؤں اور مسکینوں کی ضروریات کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور اس تہجد گزار کی طرح ہے جو تھکتا نہیں اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو ناغہ نہیں کرتا۔

دعوت ولیمہ یا دیگر تقریبوں میں اقرباء واحباب کے ساتھ غرباء ونادار مسلمانوں کو بھی شریک کرنا چاہئے ورنہ معاشرہ بڑی خرابیوں کی آماجگاہ بنتا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

بئس الطعام طعام الوليمة يدعى اليها الأغنياء ويترك الفقراء۔ (صحیحین، کتاب النکاح)

برا کھانا ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مال داروں کو دعوت دی جائے اور محتاجوں کو چھوڑ دیا جائے۔

معاشرہ کے کمزور افراد سے ہمارے نبی ﷺ کے بہترین تعلقات کا نمونہ اس حدیث میں دیکھئے:

ان امرأة سوداء كانت تقمّ المسجد أو شابا ففقدها رسول الله فسأل عنها أو عنه فقالوا مات قالا أفلا كنتم آذنتموني، كأنهم صغروا أمرها أو أمره فقال دلوني على قبره، فدلوه فصلى عليها ثم قال: إن هذه القبور مملوءة ظلمة على أهلها، وإن الله تعالى ينورها لهم بصلاتي عليهم۔ (متفق علیہ)

ایک سیاہ فام عورت یا نوجوان مسجد میں جھاڑو لگایا کرتا تھا، اسے نہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا انتقال ہوگیا ہے، آپ نے فرمایا مجھے کیوں نہیں بتایا گویا لوگوں نے اس کی وفات کو چھوٹی بات سمجھا، آپ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، لوگوں نے بتایا تو آپ نے اس پر نماز پڑھی پھر فرمایا: یہ قبریں قبر والوں پر تاریکی سے بھری ہیں، میرے ان پر نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انہیں روشن کردیتا ہے۔

جنت کے حصول کی تمنا سب کو ہے اور جہنم سے ہر ایک بچنا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے ایمان وتقوی کے ساتھ مال ودولت پر کبر وغرور سے بچنا ہوگا، نادار اور فقیر ومسکین مومن کی صابرانہ زندگی اخروی کامیابی کے اعتبار سے کس قدر اچھی ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

احتجت الجنة والنار فقالت النار فيّ الجبارون والمتكبرون وقالت الجنة في ضعفاء الناس ومساكينهم، فقضى الله بينهما، انك الجنة رحمتي أرحم بك من أشاء وانك النار عذابي أعذب بك من أشاء، ولكليكما على ملؤها۔ (مسلم)

جنت اور جہنم نے جھگڑا کیا، جہنم نے کہا میرے اندر ظالم اور متکبر لوگ ہوں گے، جنت نے کہا: میرے اندر کمزور اور مسکین لوگ ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے دونوں میں فیصلہ فرمایا تم جنت میری رحمت ہو تمہارے ذریعہ میں جس پر چاہوں گا رحم کروں گا اور تم جہنم میرا عذاب ہو میں تمہارے ذریعہ جسے چاہوں گے عذاب دوں گا اور تم دونوں کو بھر دینا میرے ذمہ ہے۔

کاش مسلمان اس حقیقت کو سمجھیں اور اپنے معاشرہ کو اسلامی اصولوں پر قائم ودائم رکھتے ہوئے اپنے درمیان سے اونچ نیچ کی غیر دینی سوچ کو ختم کریں اور صحیح معنوں میں اسلامی اخوت کو پنپنے کا موقع فراہم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

# نبی رحمت ﷺ اور حقوق نسواں

## (ایک سیمینار میں پیش کیا گیا مقالہ)

(۱) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

مجھے مسرت ہے کہ انجمن گلدستہ کے ذریعہ آپ سے تخاطب کا یہ موقع میسر ہوا۔ بلاشبہ اس طرح کے دینی وعلمی پروگرام اپنے اندر افادیت کا متعدد پہلو سمیٹے رہتے ہیں، جو لوگ ہمت کر کے ایسے پروگرام منعقد کرتے ہیں وہ ہم سب کے مبارکباد وتعاون کے مستحق ہیں، ہم سب کو یہ احساس ضرور ہوگا کہ اگر نشر واشاعت کے میدان میں امت اسلامیہ نے صحیح اور مکمل طور پر اپنی ذمہ داری ادا کی ہوتی تو یقیناً آج ہمارے سامنے وہ بہت سے مسائل نہ پیدا ہوتے جن کے حل کے لئے اس وقت ہمیں اپنی طاقت وتوجہ کا ایک معتدبہ حصہ صرف کرنا پڑ رہا ہے۔

ایک طرف نشر واشاعت کے میدان میں ہم سے کچھ کوتاہیاں سرزد ہوئیں، اور دوسری طرف ہم نے ان شعائر کو جو مخلصانہ عمل کے محتاج تھے رسم ورواج کی شکل دے دی، شریعت کے جو احکام عمل کے لئے بیان کئے گئے تھے ان کو نظر انداز کر کے ہم نے تقریبات ومناسبات پر توجہ کو اپنا مقصد بنالیا، اور دین پر عمل کی صحیح روح سے ہماری زندگی خالی ہوگئی، مجھے یقین ہے کہ ملت کی اس تلخ صورت حال کا احساس ہر باشعور انسان کو ضرور ہوگا۔

آج کی اس یادگار مجلس میں آپ کے سامنے میں اپنی اس امید کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ملت کے افراد تقریبات ومناسبات پر توجہ کے ساتھ ہی دین برحق کی زریں تعلیمات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے، ہماری مشکلات کے حل اور دین ودنیا میں کامیابی کا اگر کوئی طریقہ ہے تو وہ یہی ہے۔

قارئینِ کرام! آج کی مجلس کے لئے میں نے جو عنوان اختیار کیا ہے وہ ہے: ''نبی رحمت ﷺ اور حقوق نسواں''۔

یوں تو یہ عنوان ملت کی تاریخ میں ہمیشہ ہی زندہ اور معرکہ آراء بنا رہا ہے، لیکن آج اس کی اہمیت ومعنویت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ جب سے صادر ہوا، اور اس فیصلہ کے خلاف مسلمانوں نے اپنے ردعمل

کا اظہار کیا اسی وقت سے اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے بہت سے وہ لوگ جنہیں اسلامی احکام کی براہ راست واقفیت نہیں ہے، اس شبہ میں پڑ گئے ہیں کہ: کیا عورتوں کے سلسلہ میں اسلام کا موقف منصفانہ ہے؟ اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو انسانی ہمدردی و بہی خواہی کے زاویہ سے دیکھا ہے، نیز اسلام کے مخالفین نے اس مسئلہ پر اظہار کرتے ہوئے لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام عورت کو طلاق کے جس جزئیہ میں انصاف نہ دے سکا تھا اس کی اصلاح سپریم کورٹ کے فیصلہ سے ہوگئی: كبرت كلمة تخرج من أفواههم۔

اس پس منظر میں حقوق نسواں کا مسئلہ یقیناً اہمیت کا مالک ہے، اور ضرورت ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ تبادلۂ خیال کیا جائے، اور ہر طبقہ کے افراد کو ان تعلیمات سے روشناس کرایا جائے جنہیں عورتوں کے سلسلہ میں اسلام نے پیش کیا ہے۔

یہ کام آج کے حالات سے قطع نظر اس لئے بھی ضروری ہے کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد عالم اسلام کو جن طاقتوں نے فکری یورشوں کا نشانہ بنایا تھا انہوں نے اسلام کے خلاف جن موضوعات کو ابھارا تھا ان میں دو موضوع بہت زیادہ نمایاں تھے: اول یہ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے، اور دوم یہ کہ اس مذہب میں عورتیں مظلوم ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ علماء اسلام نے، بلکہ بہت سے غیر مسلم محققین نے بھی، ان دونوں موضوعات پر اظہار خیال کر کے مسئلہ کو واضح کر دیا ہے، لیکن پروپیگنڈے کے اس دور میں حقائق تک پہنچنا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔

اپنے موضوع کی تمہید ہی کے طور پر میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر ہم اس عنوان کے الفاظ کی معنویت پر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ عورتوں کے سلسلہ میں اسلام کا موقف کیا ہے، کیونکہ اس عنوان میں رسول اکرم ﷺ کو جب نبی رحمت کہہ کر خدا کا فرستادہ اور دنیا کے لئے رحمت مان لیا گیا تو پھر یہ بھی ماننا لازم ہو گیا کہ جو ذات اس مرتبہ پر فائز ہوگی اس کا لایا ہوا نظام یقیناً ہر فرد بشر کے لئے منصفانہ اور باعث خیر ہی ہوگا، انسان فکری گمراہیوں کی خواہ کسی بھی منزل پر پہنچ جائے اسے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حق میں رحیم وکریم ہے، کفران ومعصیت کے باوجود وہ سب کو رزق دیتا ہے اور زندگی کو ان کے لئے آسان بناتا ہے، اور ایسی بے نیاز ذات جب انسانیت کی رہنمائی کے لئے اپنے بندوں کو مبعوث فرمائے گی تو اس کا مقصد انسانوں کی بھلائی کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کے سلسلہ میں ہمارا ایمان وعقیدہ یہی ہے، اور اسی لئے ہمیں یہ تسلیم کرنے میں بڑی دشواری ہے کہ کسی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کا فیصلہ کسی بھی فرد بشر کے حق میں اسلامی قانون سے بہتر ہو سکتا ہے۔

( وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ) یعنی ہم نے قرآن کو ایمان والوں کے لئے شفا اور

رحمت بنا کر نازل کیا ہے۔

اصولی طور پر اگر دیکھا جائے تو آیت کریمہ کا یہ مختصر سا ٹکڑا ان ساری چہ می گوئیوں کو ختم کر دیتا ہے جو اسلامی احکام کے سلسلہ میں مخالفین کرتے رہتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد جو یقیناً کچھ طویل ہوگئی اب میں اپنے موضوع پر کچھ عرض کروں گا۔

یہ امر بدیہی ہے کہ انسانی معاشرہ مرد وعورت کی محنت وتعاون سے وجود میں آتا ہے، اور دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلاتے ہیں، اسلام جیسے فطری اور برحق دین کے سلسلہ میں یہ تصور قائم کرنا کہ اس نے معاشرہ کے اس اہم حصہ کو نظر انداز کر دیا ہوگا یا اس کی حق تلفی کی ہوگی کسی طرح قرین انصاف نہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ جو لوگ عورت کے سلسلہ میں اسلام کو ظلم یا بے توجہی کا طعنہ دیتے ہیں وہ اسلام کی تعلیمات اور اس کی شریعت میں پنہاں اسرار ومصالح سے بے بہرہ ہیں، اور افسوسناک امر یہ ہے کہ جن لوگوں کو ایسے معاندین کا جواب دینا تھا آج وہ خود اسلام کی تعلیمات اور ان کی معنویت ومنفعت سے غافل ہیں، جب عورتوں کے سلسلہ میں اسلام کی بے توجہی کی بات دہرائی جاتی ہے تو مجھے اپنے ملک کے ایک مخلص ومعروف عالم کی کتاب یاد آجاتی ہے، جو تنہا ایک فرد کی کوشش ہوتے ہوئے یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام کی عورتوں کے ساتھ بے توجہی کا کیا معنی، اس نے تو انہیں وہ اعزاز واکرام دیا ہے جس کا تصور بھی اب تک دنیا کا کوئی دوسرا نظام ونظریہ نہیں کر سکا۔ میرا اشارہ نواب سید صدیق حسن خاں حسینی بخاری رحمہ اللہ کی جانب ہے جنہوں نے اسلام میں عورتوں سے متعلق احکام وتعلیمات کی توضیح کے لئے ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام رکھا: حسن الأسوة بما ثبت من الله ورسوله فی النسوة۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن بیروت کے مؤسسۃ الرسالۃ نے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا ہے، ضخامت ۶۱۶ رصفحات ہے۔ علامہ موصوف نے کتاب کو دو قسموں میں تقسیم کر کے پہلے حصہ میں عورتوں سے متعلق قرآن کریم کی آیات بینات کو اور دوسرے حصہ میں احادیث شریفہ کو ذکر کیا ہے۔ یہ عظیم علمی کارنامہ عورتوں کے سلسلہ میں اسلام کے موقف کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ اس کے پہلے حصہ میں مصنف نے ۱۹۴ رابواب کے تحت ان آیات قرآنیہ کو ذکر کیا ہے جن سے عورتوں سے متعلق کوئی نہ کوئی حکم ثابت ہوتا ہے یا کسی واقعہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح دوسرے حصہ میں مصنف نے ۴۸۳ رابواب قائم کئے ہیں اور عورتوں سے متعلق احادیث کو ذکر کیا ہے۔

اب فیصلہ اہل نظر اور اہل انصاف کو کرنا ہے کہ جس دین کے بنیادی مآخذ میں عورتوں پر اس نوعیت کی توجہ دی گئی ہو کیا اس پر یہ الزام عائد کیا جا سکتا ہے کہ اس نے عورتوں کو نظر انداز کیا ہے اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں کوتاہی کی ہے؟

بات اصل میں یہ ہے کہ اسلام کو مورد الزام ٹھہرانے والوں نے اسلامی شریعت وقانون کا مطالعہ اصل مآخذ سے کرنے کے بجائے دوسروں کی تحریروں پر اعتماد کیا ہے، اوراسی وجہ سے وہ صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے، اس طبقہ کی مجبوری یہ ہے کہ اسے عربی زبان کی واقفیت نہیں اور علماء کرام جانتے ہیں کہ عربی جانے بغیر یہ کام مشکل نہیں بلکہ محال ہے۔اور کچھ لوگ تو ایسے بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے دانستہ طور پر اس دین کو نشانہ بنایا اور اس کے محاسن کو معائب کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے، اوران کا یہ موقف مستبعد نہیں، کیونکہ قرآن کریم کی سورہ آل عمران کی ایک آیت میں ارشاد ہے کہ: مسلمانو! تم اپنے مالوں اور جانوں میں آزمائے جاؤ گے، اوران لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور نیز مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کروگے اور ڈرتے رہوگے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہوگا۔

## عورت کا مرتبہ

عورتوں کو اسلام نے مخصوص میدانوں میں جو حقوق دیئے ہیں ان کے تذکرہ سے پہلے بعض ان آیات واحادیث کا ذکر مناسب ہوگا جن سے عمومی طور پر صراحت کے ساتھ عورت کی اعلی حیثیت کا ثبوت ملتا ہے:

سورۂ روم کی آیت نمبر ۲۱ر میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ: (اوراس کے نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں تاکہ تم ان کے ساتھ انس حاصل کرو، اوراس نے تم میں پیار اور رحم پیدا کیا ہے۔)

اس آیت میں من أنفسكم (تمہاری جنس سے) کے لفظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیوی شوہر کے وجود کا ایک ٹکڑا ہے ۔ پھر اس کے بعد سکون کا لفظ آیا ہے، جس سے صرف جسمانی سکون ہی نہیں بلکہ روحانی سکون اور ذہنی انسیت بھی مراد ہے، کیونکہ آگے مودۃ ورحمت کا ذکر ہے، جو انسانوں کے مابین باہمی قربت وتعلق کا قوی ترین جذبہ ہے۔

ایک آیت میں مرد وعورت کی باہمی حیثیت کو یوں بیان فرمایا ہے: هن لباس لكم وأنتم لباس لهن، یعنی وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۹ر میں ارشاد فرمایا: (اور عورتوں سے دستور کے مطابق نباہ کیا کرو، پھر اگر تم ان کو کسی وجہ سے ناپسند کرو تو (بھی نباہ کرو) شاید خدا تمہاری ناپسند چیز میں تمہارے لئے بہت سی بہتری کردے۔)

عمرو بن احوص کی ایک حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے ذکر کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: عورتوں کے بارے میں بھلائی کا معاملہ کرو، وہ تمہاری محتاج ہیں، تم پر ان کے اور ان پر تمہارے حقوق ہیں، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ پاکدامنی اختیار کریں، اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کی خوراک اور پوشاک کا

اچھا انتظام کرو۔

بخاری ومسلم نے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ذکر کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ ایک عورت دولڑکیوں کولیکر ان کے پاس پہنچی اور سوال کیا، حضرت عائشہ کے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ اور نہ تھا، انہوں نے عورت کو کھجور دیا، عورت نے دو حصہ کر کے دونوں لڑکیوں کو دے دیا اور خود نہ کھایا۔ حضرت عائشہ نے اس واقعہ کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جسے لڑکیوں کے ذریعہ آزمایا جائے اور وہ ان کے ساتھ احسان کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم سے بچاؤ ثابت ہوں گی۔

بخاری نے حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے کہ: مدینہ کی کوئی لونڈی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جدھر چاہتی آپ ﷺ کو لے جاتی۔

## اصل مقصود کیا ہے؟

اسلام نے عورتوں کو جن حقوق سے نوازا ہے ان کی اہمیت وافادیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس نقطۂ نظر اور مقصد اصلی کو پیش نظر رکھا جائے جس کے لئے اسلام نے تشریعات واحکام کا یہ وسیع ومحکم نظام قائم کیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر اسلام کے موقف کو سمجھنا مشکل ہوگا۔

دنیا میں، خواہ قدیم زمانہ کی بات ہو یا دور حاضر کی، سماجی زندگی سے متعلق دو طرح کے نظام موجود ہیں۔ ایک نظام وہ ہے جس میں جنسی زندگی اور اس سے بہرہ اندوزی کو خاندان یا ازدواجی رشتہ کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے، اس میں عورتوں اور مردوں سے متعلق تمام عادات وروایات ایک مقصد کی پابند نظر آتی ہیں، سڑکوں اور بازاروں میں عریانی کے ذریعہ جذبات کو برانگیختہ کرنے کی بات اس نظام میں نظر نہیں آتی، نہ مرد وعورت کے مابین اختلاط اور تنہا ملاقاتوں کا سلسلہ ہوتا ہے، ہر شخص اخلاقی حدود اور شرعی احکام کی پابندی کو ضروری تصور کرتا ہے۔

دوسرا نظام وہ ہے جس میں جنسی عمل اور شہوانی فعل کو ازدواجی زندگی سے مربوط نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ مرد وعورت کو آزادی ہے، وہ چاہیں تو جنسی تعلق کے لئے شادی کا رشتہ قائم کریں، یا کسی اور ذریعہ سے اس جذبہ کی تسکین کریں، اس نظام میں عورت جس طرح اپنے شوہر کے لئے آراستہ ہوتی ہے، اسی طرح مجالس ومحافل اور سڑک وبازار کے لئے بھی آراستہ ہوسکتی ہے۔ اس کے وجود سے اگر جذبات برانگیختہ ہوں اور نظریں اٹھیں تو بھی یہ عیب کی بات نہیں۔ یہاں نہ تو کوئی اخلاقی ضابطہ ہے نہ عفت وپاکدامنی کی کوئی اہمیت۔

زندگی کے یہ دو متضاد اسلوب ہیں، کسی بھی نظام میں ان دونوں کی بیک وقت رعایت نہیں ہوسکتی، اگر خاندانی روایات اور اخلاقی ضوابط والا نظام اپنایا جائے گا تو آزادانہ جنسی تعلقات والے نظام کو چھوڑنا ہوگا، اور اگر آزادانہ تعلقات والے نظام کو قبول کیا جائے گا تو اخلاقی ضوابط والے نظام سے دستبرداری ضروری ہوگی۔

اسلام نے اپنے اعلی مقاصد کے پیش نظر اس نظام کو اختیار کیا ہے جس میں اخلاقی ضوابط اور عفت و پاکبازی کے اصول کی پابندی کو اہمیت حاصل ہے، اور اس نظام کا وہ مخالف ہے جس میں آزاد جنسی تعلقات اور غیر خاندانی بنیاد پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔

اس حقیقت کو ذہن میں رکھنے کے بعد اب ان حقوق پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا جنہیں اسلام نے عورتوں کو دیا ہے۔

## بنیادی اور اہم حقوق

عام انسانی حقوق میں آزادی و مساوات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس لئے ہم انہیں دونوں حقوق پر مختصر ا روشنی ڈالیں گے۔

## دینی آزادی

اسلام کی نظر میں دینی آزادی کے سلسلہ میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں، اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کتابیہ عورت یہودیت یا نصرانیت پر باقی رہتے ہوئے مسلمان کے عقد میں آسکتی ہے، چنانچہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴ میں اس کی وضاحت ہے، البتہ ملحدہ و مشرکہ عورت سے اسلام میں شادی کی اجازت نہیں، یہ فرق خاندان کی صحیح تعمیر و تکوین کے پیش نظر کیا گیا ہے، جو ملحدہ یا مشرکہ سے شادی کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

لیکن مسلمان عورت کو اسلام نے کسی غیر مسلم سے خواہ وہ کتابی ہی کیوں نہ ہو، شادی کی اجازت نہیں دی ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اہل کتاب پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے، اس لئے ممکن ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کریں اور مسلمان عورت کے جذبات مجروح ہوں، لیکن مسلمان حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں کو خدا کا رسول مانتے ہیں، اس لئے ان کی طرف سے کسی کتابیہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

## سیاسی و فکری آزادی

سیاسی آزادی سے عام طور پر دو چیزیں مراد ہوتی ہیں، اول یہ کہ رعیت کو حکام کی نگرانی اور ان کی غلطیوں پر تنقید و تنبیہ کا حق حاصل ہو، دوم یہ کہ حکومت کے مناصب پر فائز ہونے کا حق ہر اس شخص کو حاصل رہے جس میں اس کی شرائط اور صلاحیت

موجود ہو۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں علماء نے یہ لکھا ہے کہ حکام کی اصلاح اور امت کی خیر خواہی کے حق میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ امت میں اسی لئے مقرر کیا گیا ہے، سورہ توبہ کی آیت نمبر ۷۱ میں مرد اور عورت دونوں کو اس فریضہ کا مکلّف بتایا گیا ہے۔

اسلامی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی مدد اور اس کی تعلیمات پر عمل کے لئے عورتوں نے بیعت کی، اور اسلام ہی کی راہ میں ہجرت اور جہاد میں حصہ لیا، جس کی تفصیلات سیرت وتاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

فکری آزادی کے سلسلہ میں صرف اُس واقعہ کا ذکر کافی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا، آپ نے مہر میں لمبی رقم مقرر کرنے سے لوگوں کو روکنا چاہا تو ایک عورت نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۰ سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد عورت کو خطیر رقم دے سکتا ہے، پھر آپ اس سے کیوں روکتے ہیں؟

یہ سن کر حضرت عمر نے رجوع کر لیا اور کہا کہ: عورت کی بات صحیح اور مرد کی بات غلط ہے۔

البتہ اسلام نے عورت کو حکومت کی سربراہی دینے سے منع کیا ہے، اور فقہاء اسلام نے وضاحت کی ہے کہ سیاسی وانتظامی عہدوں کو سنبھالنے کے سلسلہ میں مردوں کو اولیت حاصل ہے۔

اس پابندی کا سبب جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، صرف عورتوں کے مزاج وطبیعت کی رعایت ہے، اس کی شخصیت وصلاحیت کی توہین یا ان کا انکار نہیں۔

استثنائی طور پر عورتوں سے صادر ہونے والے تفوق وبرتری کے کارناموں کو سامنے رکھ کر بہت سے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ دونوں صنفوں کے مابین طبعی تفاوت کی بات غلط ہے، تربیت وتدریب کے ذریعہ دونوں برابر کی ذمہ داریاں سنبھال سکتے ہیں۔

اس کا جواب ایک مصری عالم شیخ محمد الغزالی کے الفاظ میں یہ ہے کہ بلاشبہ تربیت کی تاثیر غیر معمولی ہے، لیکن اس سے دونوں کے مزاج وطبیعت میں کسی تبدیلی کی توقع فضول ہے، کیا ایسا کوئی انقلاب آسکتا ہے جو حمل، رضاعت، گھر کی نگہداشت اور بچوں کی پرورش سے نکال کر عورتوں کو کچھ اور بنا دے؟ (جاری)

☆☆☆

# بدشگونی و بدفالی سے ممانعت

تمام تعریف اس عزت وغلبہ والے اللہ کے لئے ہے جو چھپے اور کھلے کا جاننے والا ہے، سب سے بزرگ اور عالی رتبہ ہے، کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر، یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن کی روشنی میں کھلم کھلا چلے پھرے، اس کے نزدیک سب برابر ہے، اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ اس نعمت کو جو کسی کو حاصل ہے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت نہ بدلیں، اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرلے تو وہ پھر نہیں سکتی اور اللہ کے سوا کوئی ان کی مدد کو بھی نہیں آسکتا۔ میں اس رب پاک کی بخششوں پر اس کی ثنا اور اس کے بے پایاں نوازشوں پر اس کی سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں، اور شہادت دیتا ہوں کہ اس وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود والہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ امابعد!

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر حال میں اس سے ڈرتے رہو، اور یہ یقین رکھو کہ دنیا کے اندر ہونے والی ایک ایک چیز سے وہ باخبر ہے:

''لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السمٰوات ولافی الأرض ولا اصغر من ذالك ولااكبر الا فی كتاب مبین''(سبا:۳)

ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں، آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور کوئی چیز ذرے سے چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں جو کتاب مبین میں لکھی ہوئی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں تمام اشیاء کا فیصلہ فرمادیا ہے، لہٰذا جو چیز بھی دنیا کے اندر وقوع پذیر ہوتی ہے وہ اللہ کے علم اور فیصلہ کے مطابق ہوتی ہے، وہی جو چیز چاہتا ہے وہ ہوتی ہے اور جو چیز نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی، جیسا کہ ارشاد ہے:

''انا كل شئ خلقنا ہ بقدر''(القمر:۴۹) ہم نے ہر چیز مقرر اندازہ کے ساتھ پیدا کی ہے۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان اول ما خلق الله القلم، ثم قال: اكتب، فجری فی تلك الساعة بما هو كائن الی یوم القیامة''(۱)

اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور پیدا فرمانے کے بعد قلم کو حکم دیا کہ لکھ، چنانچہ قلم نے اسی وقت تا قیامت

(۱) مسند احمد ۵/۳۱۷ (۲۲۷۰۸،۲۲۷۰۷) و جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ''ومن سورۃ ن'' (۳۳۱۹)

ہونے والی تمام باتیں لکھ ڈالیں۔

بہت سے ضعیف العقیدہ اور ناقص الایمان قسم کے لوگ بعض مہینوں اور بعض مخصوص ایام یا مقامات یا اشخاص یا آفات و بلیات یا بعض اوصاف سے بدشگونی لیتے ہیں، حالانکہ یہ بات نبی خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہدایت کے سراسر خلاف اور زمانۂ جاہلیت کے باطل عقائد میں سے ہے، آپ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے اور امید وبیم، خوف ورجا اور رغبت ورہبت میں صرف اور صرف اسی کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔

بدشگونی عہد قدیم میں اہل جاہلیت اور دشمنانِ انبیاء کی ایک عادت تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر قوم فرعون کی بابت فرمایا ہے:

''فاذا جاء تهم الحسنة قالوا لنا هذه وان تصبهم سيئة يطيروا بموسى ومن معه الا انما طائرهم عندالله ولكن اكثرهم لا يعلمون ''(الاعراف:۱۳۱)

جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم تو اس کے مستحق ہیں، اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے، دیکھو ان کی بدشگونی اللہ کے ہاں مقدر ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

یعنی جب آل فرعون کو سرسبزی وشادابی، رزق کی فراوانی اور جسم وجان کی عافیت حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم تو اس کے مستحق ہی ہیں، یہ چیزیں تو ہمیں ملنی ہی تھیں، لیکن جب بلا ومصیبت، فقر وتنگدستی اور قحط وبھوک مری میں مبتلا ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء سے بدشگونی لیتے اور کہتے کہ یہ سب ہمیں موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے پہنچ رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کی تردید اور حقیقت حال سے انہیں باخبر کرتے ہوئے فرمایا:''ألا انما طائرهم عند الله '' کہ انہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچی ہیں وہ حضرت موسیٰ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ سب ان کے کفر اور انبیاء کی تکذیب کے نتیجہ میں اللہ کی جانب سے پہنچی ہیں، لیکن ان کے اکثر لوگ جاہل ہیں، اس بات کو سمجھ نہیں پاتے، اور اگر وہ سمجھ جائیں اور اللہ کے امر کو قبول کرلیں تو یقینی طور پر یہ جان لیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ بھی اپنے رب کی جانب سے لے کر آئے ہیں وہ سوائے خیر وبرکت اور دنیوی واخروی سعادت کے کچھ نہیں۔

دینی بھائیو! جو لوگ مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز سے بھی بدشگونی لیتے ہیں ان کا یہ فعل ان کی جہالت، لاعلمی اور دین کے سلسلہ میں ان کی بے مائیگی کی دلیل ہے، اس مذموم فعل میں وہ ان لوگوں کے زمرہ میں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے اور ان سے علم کی نفی کی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں بدفالی وبدشگونی سے بڑی ہی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اس فعل کو شرک قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے:

''الطيرة شرك، الطيرة شرك، الطيرة شرك''(۱)

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرۃ (۳۹۱۰) وجامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الطیرۃ (۱۶۱۴)

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے کہ بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔

نیز عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من ردته الطيرة من حاجة فقد اشرك، قالوا: يا رسول الله ما كفارة ذالك؟ قال: أن يقول أحدهم: اللهم لا خير الا خيرك، ولاطير الا طيرك، ولا اله غيرك''(۱)

وہ شخص جسے بدشگونی نے اس کی کسی ضرورت سے روک دیا (یعنی جو شخص کسی فال بد کی بنیاد پر اپنی ضرورت پر نکلنے سے رک گیا) اس نے شرک کیا، لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کہو ''اللهم لا خير الا خيرك، ولا طير الا طيرك، ولا اله غيرك'' اے اللہ! نہیں ہے کوئی خیر سوائے تیرے خیر کے، اور نہیں ہے کوئی شگون سوائے تیرے شگون کے اور نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا۔

اسلامی بھائیو! بعض لوگ ایسے ہیں جو ماہ صفر سے بھی بدشگونی لیتے ہیں، حالانکہ یہ اہل جاہلیت کے افعال میں سے ہے، اس لئے کسی بھی مسلمان کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اہل جاہلیت کے ایسے اوصاف وافعال اپنائے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہدایت کے صریحا خلاف ہوں۔

صفر کا مہینہ بھی سال کے دیگر مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے، فی نفسہ اس کے اندر کسی مزید خیر یا شر کی کوئی خصوصیت نہیں، اس ماہ کے سلسلہ میں اہل جاہلیت کا جو عقیدہ تھا اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل قرار دیا اور بڑی شدت کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

''لاعدوى ولاطيرة ولاهامة ولاصفر''(۲)

اسلام میں امراض متعدیہ اور بدشگونی اور الو کے بولنے اور صفر کا عقیدہ نہیں۔

بعض اسلاف سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت ماہ صفر سے بدشگونی لیتے اور کہتے تھے کہ صفر کا مہینہ فی نفسہ مذموم اور منحوس مہینہ ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے اس عقیدہ کی تردید فرمائی اور اس کو باطل قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے جہالت زدہ لوگ اس ماہ سے بدشگونی لیتے ہیں اور اسے اس قدر منحوس سمجھتے ہیں کہ اس ماہ میں شادی بیاہ اور سفر وغیرہ تک نہیں کرتے، حالانکہ یہ عقیدہ کمالِ توحید کے منافی، سنت نبوی کے معارض، ایمان واسلام کے لئے قادح اور باعث عیب اور عقائد جاہلیت میں سے ایک ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے قضاوقدر اور اس کی ذات پر ایمان رکھنے والے بندۂ مومن کے لئے ہرگز یہ روا نہیں کہ اس طرح کے اوہام وخرافات کا عقیدہ رکھے یا اپنے دل میں انہیں جگہ دے۔

ماہ صفر کی طرح بعض ایام مثلا چہار شنبہ (بدھ) سے یا بعض جسمانی آفت زدہ لوگوں سے یا بعض جانوروں سے بدشگونی لینا بھی سراسر باطل اور اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔

---

(۱) مسند احمد ۲/۲۲۰ (۷۰۶۶)

(۲) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الجذام (۵۷۰۷، ۵۷۵۷) وصحیح مسلم کتاب السلام، باب ''لاعدوى ولاطيرة......'' (۲۲۲۰)

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جملہ احوال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد وتوکل کرکے اپنے ایمان کا عملی ثبوت دے اور یہ عقیدہ رکھے کہ کسی بھی کام کے سلسلہ میں خطا وصواب اور غلطی ودرستگی خود اس کے بس کی بات نہیں، بلکہ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے:

''وعلى الله فتوكلوا ان كنتم مؤمنين''(المائدہ:۲۳) اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم صاحب ایمان ہو۔

نیز فرمایا:''ومن يتوكل على الله فهو حسبه، ان الله بالغ امره، قد جعل الله لكل شئ قدرا''(الطلاق:۳)

جو اللہ پر بھروسہ رکھے تو اللہ اس کو کفایت کرے گا، بے شک اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کردیتا ہے، اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اللہ کے بندو! ظاہر وباطن ہر طور سے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس سے ڈرتے رہو، جو فعل نبی کریم ﷺ کی سنت وہدایت کے موافق نہ ہو اس سے بچو، اور یہ جان رکھو کہ بدفالی وبدشگونی بھی انہی اوہام وخرافات میں سے ہیں جو کج فہمی اور ایمانی کمزوری کا نتیجہ ہیں۔ بعض علمائے محققین نے کہا ہے کہ بدشگونی ایک باطل وہم ہے جس کا عقیدہ رکھنا کسی بھی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں۔

اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں بدشگونی لیتے اور بدفالی کا عقیدہ رکھتے تھے، جس کو اسلام نے باطل قرار دیا ہے، بدشگونی کے ابطال وتردید کے سلسلہ میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں، جو یہ بتاتی ہیں کہ یہ اوہام وخرافات میں سے ہے، بلکہ بعض احادیث کے اندر تو یہاں تک آیا ہے کہ بدشگونی کا عقیدہ شرک ہے۔

اس سلسلہ میں جو حدیثیں وارد ہیں ان میں صحیح مرفوع احادیث بھی ہیں، مرسل بھی اور موقوف بھی (۱) جس میں سب سے صحیح بخاری ومسلم کی روایت کردہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''لاعدوى ولا طيرة ولا هامة ولاصفر''(۲)

اسلام میں امراض متعدیہ اور بدشگونی اور الو (کی بولی منحوس ہونے) اور صفر کا کوئی عقیدہ نہیں۔☆☆

ماخوذ از: خطبات حرم، شیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ
امام وخطیب، مسجد حرام، مکہ مکرمہ

---

(۱) مرفوع وہ قولی یا فعلی حدیث ہے جس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کی گئی ہو، خواہ وہ متصل ہو یا منقطع ہو یا مرسل ہو، البتہ خطیب بغدادی نے مرفوع کے لئے مرسل ہونے کی نفی کی ہے اور کہا کہ مرفوع صرف وہ حدیث ہے جس کو صحابی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے۔

اور مرسل وہ حدیث ہے جسے تابعی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے، اور بعض محدثین نے یہ صراحت کی ہے کہ مرسل کے لئے تابعی کا کبار تابعین میں سے ہونا ضروری ہے، اگر صغار تابعین براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کریں تو ان کی حدیث مرسل نہیں شمار ہوگی۔

اور موقوف وہ اثر ہے جو کسی صحابی کی طرف منسوب ہو اور قطعی طور پر یہ نہ معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا قول یا فعل ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الجذام (۵۷۰۷، ۵۷۵۷) وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب ''لاعدوى ولا طيرة...''(۲۲۲۰)

# نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی کا ذوق شعروسخن

(۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ ——— ۱۸۳۲-۱۸۹۰ء)

(۲-۲)

مولانا عبدالوہاب حجازی

مولانا اشہرؔی کہتے ہیں: نواب صاحب کا مذاق تغزل نہایت پاکیزہ اور قابل قدر ہے، اوران کا مواخذہ اور مجتہدانہ رنگ شاعری پر بھی اپنا اثر ظاہر کئے ہوئے ہے۔(نواب صدیق حسن خاں ص۲۳۹)

نواب صاحب کی تالیفات عربی، فارسی اوراردو تینوں زبانوں میں تین سو سے زیادہ ہیں، جن میں سو سے زیادہ کتابیں اردوزبان میں ہیں، یہ اردوزبان کی بڑی خدمت ہے، انہوں نے زوال کی طرف گرتے ہوئے عالم اسلام، مسلمانوں اور عامۃ الناس کو ترقی اور اصلاح کا راستہ دکھلانے کے لئے اپنی تالیفات میں قرآن وحدیث اور فقہ واصول کی لازوال خدمت کے علاوہ سیکڑوں ہزاروں علوم وفنون اور علماء ومشائخ کے تعارف اوراحوال کا آئینہ پیش کیا، جس سے وہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید، سید احمد شہید اور سید نذیر حسین وغیرہم کی شاہراہ تحریک حریت واصلاح کے سنگ میل بن گئے، نواب صاحب کے قلمرو سے پھرزبان وادب اورشعروسخن کی دنیا کیوں باہر ہوتی، چنانچہ آپ نے لغت، بدیع، اسرار حسن وعشق، انشاء، عروض، صرف، نحو، تذکرہ شعراء وغیرہ موضوعات وفنون پر متعدد کتابیں تحریر کیں، اورعربی، فارسی اوراردوزبانوں میں اپنے قصائد، منظومات اورغزلیات کے دواوین مرتب کرکے شائع کروائے، ذیل میں ہم شعروسخن سے متعلق نواب صاحب کی کچھ تالیفات کا تعارف پیش کررہے ہیں:

نواب صاحب نے شعراء کے تذکرہ پر تین ضخیم کتابیں تالیف کی ہیں، جن میں تین ہزار سے زائد شعراء فارسی کے احوال اوران کے کلام کے نمونے پیش کئے ہیں۔

(۱)''شمع انجمن'' یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔ ۱۲۹۲ھ = ۱۸۷۵ء میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے اس کی اشاعت ہوئی، اس میں ماضی وحال کے بارہ سو سے زائد شعراء فارسی کا تذکرہ مع ان کے نمونہ کلام کے درج ہے، ان میں ایسے شعراء بھی ہیں جواردو میں بھی اشعار کہتے تھے، بڑی تقطیع میں یہ تذکرہ پانچ سو چوراسی صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

(۲)''نگارستان سخن'' یہ تذکرہ بھی فارسی زبان میں ہے، سن طباعت اور مطبع اس کا بھی وہی ہے جو''شمع انجمن'' کا ہے،

یہ بڑی تقطیع میں دوسو چھ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ان شعراء فارسی کا تذکرہ ہے جن کا ذکر ''شمع انجمن'' میں نہیں ہوسکا تھا، یہ چھ سو ستائیس شعراء ہیں، ان میں بعض اردو میں بھی اشعار کہتے تھے۔

(۳) ''صبح گلشن'' یہ تذکرہ بھی فارسی زبان میں ہے، ۱۲۹۵ھ=۱۸۷۸ء میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا، یہ بڑی تقطیع میں چھ سو ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس میں بارہ سو شعراء فارسی کا تذکرہ ہے، اس میں بھی بعض شعراء اردو میں اشعار کہتے تھے۔

(۴) "نفح الطیب من ذکر المنزل والحبیب" یہ نواب صاحب کا فارسی دیوان ہے، ۱۲۹۹ھ=۱۸۸۲ء میں طبع ونشر ہوا، اس میں بعض دوسرے شعراء جیسے علامہ فاخر زائر الہ آبادی وغیرہ کے چیدہ اشعار بھی ہیں، بقول سیرت والا جاہی: اس کو اتباع کتاب وسنت کے گلہائے رنگارنگ کا ایک ایسا چمنستان جاں فزا بنادیا کہ جس کی خوشبوئے عطر آگیں سے گل چینان علم ومعرفت اپنا مشام جان تازہ کرسکیں، اور خارزار ذمائم تقلید سے اپنا دامن بچاسکیں، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

زد ہر رفت چو شوکانی آمدم نوابؔ — بگو بچرخ کہ پیدا کند قرینۂ ما
بادۂ رائے کساں نیست بجام نواب — سیر چشم ست زسنت ہمہ پیمانۂ ما
صحاح ستہ کہ در علم دیں علم آمد — برزم گاہِ خرد پرچم نشان من ست
غازہ آمد برخ شاہدِ سنت نوابؔ — للہ الحمد بکار آمدہ خوں باریِ دل
نماند گرمیٔ سنت بدوستاں نوابؔ — صلاح آں کہ ازیں انجمن کنارہ کشم

نواب صاحب نے ایک کلمہ ''یللّٰہِ'' کو ایک نظم کا ردیف ٹھہرایا ہے جو شعر گوئی میں ان کی ندرت پسندی کی دلیل ہے، یہ کلمہ جوان لوگ سرمستی اور سماع ذوق وسرود کے موقع پر بولتے ہیں، نواب صاحب نے توحید وسنت کے لئے ایسی ہی سرمستی وسرور کا اظہار اس نظم میں کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ساقیا سنت پرستم یللّٰہِ — از مئے توحید مستم یللّٰہِ
رائ دارد گرچہ زلفِ پرشکن — خویشتن را خود شکستم یللّٰہِ
در دلِ من جلوۂ سنت نشست — از غمِ تقلید رستم یللّٰہِ
پیش سنت گشت بدعت منفعل — بر خرد ہا شیشہ بستم (۱) یللّٰہِ
آشنائے بحرِ سنت شددلم — دست را از رائے ششتم یللّٰہِ
جرعۂ میخانۂ سنت کشم — مست صہبائے الستم یللّٰہِ

(۱) یعنی استہزاء کردم

مستیٔ سنتِ چناں مدہوش کرد     با تو ہم زانو نشستم یلّٰلّٰہِ
نیستم نوابؔ پروائے خرد     بندۂ ایزد پرستم یلّٰلّٰہِ

اس دیوان میں کچھ عربی قصائد بھی طبع ہوئے ہیں، جن میں قصیدہ ''عنبریہ'' کے علاوہ چار طویل عربی قصائد مزید ہیں، جن میں نواب صاحب نے بڑے پرشوق انداز میں نبیﷺ کے پاکیزہ اوصاف اپنے پرسوز لب ولہجہ میں بیان کئے ہیں، دو شعر اس قصیدہ کے ملاحظہ فرمائیں جو معلقۂ امرءالقیس کی زمین میں کہا گیا ہے:

فیا قلب دَعْ ذکری حبیب ومنزل     ولا حَظَّ لی من حبهن سوی الجفا
وخلِّ أحادیث الصَبابة والهوی     ومِل نحو أوصاف النبی المبجّل

(۵) ''گل رعنا'' یہ نواب صاحب کا فارسی اور اردو غزلیات کا دیوان ہے، جو ۱۳۰۷ھ = ۱۸۸۹ء میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے طبع ہوا، نواب صاحب کے اردو کلام میں دلی اور لکھنؤ دونوں دبستانوں کا رنگ پایا جاتا ہے، لیکن جو اوصاف ان کے کلام کو امتیاز بخشتے ہیں وہ ہیں فکر وخیال کی بلندی کے ساتھ پاکیزگی، علم کی گہرائی اور لہجہ کی سچائی، خیال اور معاملات حسن وعشق کو شعری پیکر عطا کرتے ہوئے کہیں ابتذال اور سوقیانہ پن کا رنگ ظاہر نہیں ہوتا، ذیل میں ''گل رعنا'' کی اردو غزلوں کے کچھ اشعار درج کئے جاتے ہیں:

بے شبہ ہے فقیر سے عزت امیر کی     پستی اگر نہ ہو تو شرف کیا بلند کا
کہاں کہاں میں بچاؤں، کہاں کہاں دیکھوں     ہے خار زارِ محبت میں آبلہ دل کا
ہم نرخِ ہوس عشق ہو، اللہ کی قدرت     لو شہر محبت بھی ہے اندھیر نگر آج
ہجوم فکر سے فرصت نہیں ہمیں توفیقؔ     کہاں کا شعر، کہاں کی غزل، کہاں کی طرح
غیر کو گروہ ہوس کار کہیں جائز ہے     پر مرے حق میں یہ ارشاد ہے باللہ اعوذ
کیسی تحریرِ خطِ عشق، کہاں کا کاغذ     نامہ بر جائے کوئی رنگ پریدہ ہوکر
قیس وفرہاد رعایا کی طرح بستے ہیں     کشور عشق ہے توفیقؔ کی جاگیر میں خاص
جناب واعظ اگر اپنی خوش بیانی سے     یہاں تلک انہیں لائیں بڑا کمال کریں
کہوں وہ بات جو الہام سے رہے ہمدوش     پر اپنی بزم محبت میں اعتبار تو دو
گلہ کیا تو کس انداز سے بگڑ کے کہا     کہ تم نے رنج سہے اپنے مدعا کے لئے

(٦) "المغنم البارد للصادر والوارد" یہ ایک فارسی دیوان ہے جو ۱۲۹۹ھ = ۱۸۸۲ء میں مطبع شاہ جہانی

بھوپال سے طبع ہوا، یہ بڑی تقطیع میں دوسو چھیاسی صفحات پر مشتمل ہے، یہ دیگر شعراء فارسی کے ساتھ نواب صاحب کی فارسی نظموں کا گنجینہ ہے، اس میں حمد ونعت اور خلفاء راشدین، اہل بیت اور صحابۂ رسول کی منقبت میں بہت سی نظمیں ہیں، ان کے علاوہ بہت سے دینی، علمی اور اخلاقی موضوعات پر چیدہ تعمیری واصلاحی اشعار کا نہایت قیمتی اور بیش بہا مجموعہ ہے۔

ان سطور سے نواب صاحب کے موروثی اور فطری ذوق شعروسخن کا یک گونہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ان کے دور میں طرحی مشاعروں کا عام رواج ہوگیا تھا، مولانا اشہرؔی کے بقول: نواب صاحب اپنی دل چسپی کے لئے مجلس مشاعرہ ہفتہ وار منعقد فرماتے تھے، آپ کے اس فطری ذوق ودل چسپی، شعروسخن کی مربیانہ سرپرستی، اور سخن فہمی وسخن سنجی کی تربیت کا اثر آپ کے اہل خانہ پر بھی بھرپور پڑا تھا آپ کی اہلیہ نواب شاہ جہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال بھی نواب صاحب کے اس ذوق لطیف سے اثر پذیر ہوئی تھیں، بیگم صاحبہ کی تصنیف کردہ مثنوی ''صدق البیان'' اس کی واضح دلیل ہے، وہ تاجور تخلص کرتی تھیں، ''تاج الکلام'' اور ''دیوان شیریں'' کے نام سے ان کے دوشعری دیوان بھی ہیں، یہ شعر:

دیا مہر اور مہ کو تو نے وہ نور
کہ ہے روز وشب میں انہیں سے ظہور

مثنوی صدق البیان میں تاجورؔ صاحبہ کا ہے، نواب صاحب کے بڑے صاحب زادے، نواب نورالحسن خاں کلیم اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے، ''تذکرہ طورکلیم''، ''تذکرہ شعرء الفرس'' اور ''تذکرہ شعراء الہند'' انہیں کی تصنیفات ہیں، جن میں سیکڑوں اردو اور فارسی شعراء کا تعارف مع نمونۂ کلام درج ہے، ''تذکرہ طورکلیم'' میں ایک خاصا حصہ ''دوہا'' اور اس کے کہنے والوں کے تعارف پر مشتمل ہے، یہ مختلف زبانوں میں ان کے تنوع ذوق اور وسعت نظری کی دلیل ہے۔

نواب صاحب کے چھوٹے صاحب زادے نواب علی حسن خاں طاہرؔ فارسی اور اردو کے شاعر اور شعروسخن کے قدردان تھے، ''تذکرہ بزم سخن'' کے نام سے چارسو سے زائد شعراء اردو کے حالات ونمونۂ کلام پر مشتمل یہ تذکرہ آپ ہی کا تصنیف کردہ ہے۔

نواب صاحب کی شخصیت اور اعمال کے بیسیوں گوشے ایسے ہیں جن پر تحقیقی کتابیں لکھنے کی ضرورت ہے، جن میں ایک گوشہ ان کی ادبی ولسانی وشعری خدمات کا ہے جن کی طرف اس مقالہ میں اشارہ کیا گیا ہے، اس پر مستقل ومفصل تحقیقی کتاب کے لکھے جانے کی ضرورت ہے، خوشی کی بات ہے کہ زمانہ ان پر پڑے ہوئے غبار کو ہٹا رہا ہے، متعدد اہل علم ان پر ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں، جامعہ سلفیہ بنارس نے ان کی شخصیت واعمال پر سابقہ سال میں ایک سیمینار کیا تھا، توقع ہے کہ یہ سلسلہ اور آگے بڑھے گا اور اس میں دل چسپی عام ہوگی۔

☆☆☆

# مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور باطل تحریکات

(قسط:۲-۲)

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

مولانا کی عام تصانیف جوفرق ومذاہب کی تردید کو متضمن ہیں:

سابق الذکر خصوصی تردیدی کتابوں کے علاوہ مولانا امرتسری کی دیگر موضوعات پر جو کتابیں ہیں وہ بھی اسلام کی حقانیت کے بیان، اس پر مختلف جہات سے وارد ہونے والے شبہات واعتراضات کے جواب، فرق باطلہ اوران کے عقائد ودلائل کی تردید وغیرہ پر مشتمل ہیں، چنانچہ آپ کی مشہور اردو تفسیر جو تفسیر ثنائی کے نام سے موسوم ہے اور آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اس کی زندہ مثال ہے، اس تفسیر میں مصنف نے ہندوؤں کے مختلف فرقوں کے علاوہ عیسائی، یہودی، پارسی، سکھ، نیچری، بہائی، مرزائی وغیرہ سب کے افکار وخیالات کو پیش نگاہ رکھا ہے اور قرآن مجید کے جن مقامات پر ان میں سے کسی نے اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب دیا اور ان کے موقف کو ہدف تنقید ٹھہرایا ہے، شیعہ اور بریلوی حضرات سے بھی ان کی بحثیں رہتی تھیں، فقہی مسائل میں ان کے رجحانات وتصورات کو بھی سامنے رکھا ہے، سرسید احمد خاں کے افکار بھی پیش نگاہ تھے، ان پر بھی نقد وجرح کی ہے۔(۱)

آپ کے ایک سوانح نگار مولانا فضل الرحمٰن بن میاں محمد لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں لکھی گئی تفاسیر مسلمان کو قرآن سمجھنے میں مدد تو ضرور دیتی تھیں لیکن یہ نہ سمجھاتی تھیں کہ مسلمانوں پر ہونے والے اعتراضات کا جواب کس طرح دیا جاسکتا ہے، حق اور سچ بات کو اگلے تک کس طرح پہنچایا جاسکتا ہے، آریہ اور عیسائی کو لاجواب کس طرح کیا جاسکتا ہے، مولانا ثناء اللہ چونکہ مناظر تھے، ان کا واسطہ ہر وقت آریہ اور عیسائیوں سے رہتا تھا، ان سے تقریری اور تحریری مناظروں کا سلسلہ قائم تھا، لہٰذا انہوں نے جو تفسیریں عربی اور اردو میں لکھیں ان میں مناظرانہ رنگ غالب رہا، جہاں بھی کوئی نکتہ ایسا آیا جس کو قاری قرآن کو سمجھنے کے ساتھ آریہ اور عیسائی پر گرفت بھی کرسکے مولانا نے وہاں حسب ضرورت بحث فرمائی''۔(۲)

(۱) ملاحظہ ہو: بزم ارجمنداں، ص:۱۴۹۔ (۲) حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:۱۲۳۔

مولانا اسحاق بھٹی تفسیر ثنائی کا تعارف کراتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں:

''اس تفسیر کے مطالعے سے اس دور کے تمام مذاہب کی تاریخ نظر وبصر کے احاطے میں آجاتی ہے اور مخالفین اسلام جس نوعیت کے اعتراضات کرتے ہیں ان کا اندازہ ہو جاتا ہے...... ہندوؤں کے فرقوں اور ان کے مذہبی تصورات سے پاکستان کی نئی پود میرے خیال میں واقف نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو بہت کم، تفسیر ثنائی کے مطالعے سے ان کے بہت سے افکار معلوم ہو جاتے ہیں اور نوعیت اعتراض اور طریق جواب کا پتا چل جاتا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے بعض مسلمانوں نے بھی اسلام پر اسی قسم کے اعتراضات وارد کرنا اپنے لئے ضروری قرار دے رکھا ہے''۔(۱)

مولانا کی عربی تفسیر موسوم بہ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' بھی ان ہی خصائص کی حامل ہے اور اس کتاب میں بھی جابجا دیگر مذاہب وملل اور ان کے عقائد واعتراضات پر گفتگو موجود ہے۔

مولانا کی ایک مختصر کتاب ''تفسیر بالرائے'' کے نام سے بھی موجود ہے جس کا مقصد تالیف ہی یہ تھا کہ مختلف فرقوں سے جو تفسیری لغزشیں ہوتی ہیں اور قرآنی آیات کی وہ من مانی تاویل کرکے انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں ان کی تردید کی جائے اور ٹھوس دلائل سے ان کا جواب دیا جائے، چنانچہ اس کتاب میں قادیانیت، شیعیت، بریلویت، انکار حدیث، نیچریت، بہائیت اور دیگر فرقوں کی لگ بھگ (۱۵) کتابوں اور ان کے مصنفین کا رد موجود ہے، افسوس کہ یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی اور سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ ہی کے تفسیری جائزے پر ختم ہوگئی۔

اسی نوعیت کی ایک اور تفسیر مولانا امرتسری نے ''برھان التفاسیر'' کے نام سے لکھنا شروع کیا تھا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک رکوع کی صحیح اور جامع تفسیر رقم فرمادیتے، اس کے بعد دوسرے اصحاب تفسیر-خصوصا عیسائی اور کسی حد تک منکرین حدیث اور قادیانی حضرات-کی تفاسیر پر-جو درحقیقت قرآن کی تحریف ہوتیں نقد وتبصرہ فرماتے، یہ کتاب تفسیری شکل میں شائع نہیں ہوئی، البتہ ہفت روزہ اہل حدیث (امرتسر) میں ایک طویل عرصے تک اس کے اجزاء بالاقساط شائع ہوتے رہے۔(۲)

## مناظرہ:

دیگر اقوام وملل کے ساتھ مولانا کے بحث ومباحثہ کا دوسرا میدان مناظرہ کا تھا، آپ اپنے وقت کے امام المناظرین تھے، مسلمانوں کے تمام فرقوں کی طرف سے غیر مسلموں سے، اور اہل حدیثوں کی طرف سے غیر اہل حدیثوں سے آپ کے مناظرے ہوتے رہتے تھے، آپ کے مناظروں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے، تنہا امرتسر میں آپ نے دوسو سے زائد مناظرے کیئے، لاہور کے مناظروں کی تعداد بھی سیکڑوں سے کم نہیں، تذکرۃ المناظرین نامی کتاب جو دو جلدوں میں شائع

(۱) بزم ارجمنداں، ص:۱۵۰۔ (۲) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناءاللہ امرتسری، ص:۴۰۔

ہو چکی ہے اس میں ان میں سے بہت سے مناظروں کی تفصیل مندرج ہے، اس کے علاوہ فتنہ قادیانیت اور مولانا امرتسری، سیرت ثنائی، کتاب بنام مولانا ثناءاللہ امرتسری، بزم ارجمنداں وغیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ تفصیلات مذکور ہیں جو فوائد اور دلچسپی سے بھرپور ہیں، سیرت ثنائی کے مصنف نے مولانا کے مناظروں کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے، مولانا فضل الرحمٰن بن دین محمد صاحب نے بھی سیرت ثنائی سے ان خصوصیات کو اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے، یہ خصوصیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں، عصر حاضر کے نوجوانوں اور بحث ومباحثہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس میں بڑا سامان عبرت ہے۔

مولانا کے مناظروں کی اخلاقیات پر ایک مستقل اور مبسوط رسالہ تیار کیا جانا چاہئے تاکہ ہماری نئی نسل اس سے استفادہ کرے اور ساتھ ہی مولانا کی عظمت کے مزید نئے گوشے سامنے آئیں۔

## صحافت:

دین کے تعارف، احکام اسلامی کی نشر واشاعت اور اسلام مخالف شبہات واعتراضات کے دفعیہ کے لئے مولانا نے تیسرا محاذ جو قائم کر رکھا تھا وہ اخبارات کی اشاعت کا تھا، مولانا نے ''اہل حدیث'' کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ ۱۳رنومبر ۱۹۰۳ء سے امرتسر سے نکالنا شروع کیا جو ہر جمعہ کو ۱۸×۲۲ تقطیع کے بڑے ۸رصفحات پر چھپتا تھا، بعد میں اس کے صفحات کی تعداد بڑھتے بڑھتے (۲۴) تک بھی پہنچی، البتہ زیادہ تر یہ پرچہ ۱۶ سے ۲۰ صفحات پر مشتمل رہتا تھا، اس رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے مولانا خود لکھتے ہیں:

''جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روزمرہ بڑھتی نظر آئی اور تصنیف کتب کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبار اہل حدیث جاری کیا گیا، جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے، ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔''

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''یہ اخبار کیا ہے مجمع البحرین ہے، یعنی دین ودنیا کا مجموعہ، جس میں ملکی، مذہبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین کے علاوہ متفرق سوال وجواب، دینی فتاوے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات درج ہوتے ہیں، غرض یہ اخبار توحید وسنت کا حامی، شرک وبدعت کا دشمن، مخالفین کے سامنے ڈھال کا کام دینے والا اور دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں بتانے والا ہے''۔(۱)

مولانا اسحاق بھٹی اس اخبار کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''اس اخبار کو پورے ہندوستان کے مذہبی وعلمی اور سیاسی وسماجی حلقوں میں اہمیت حاصل تھی، مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اسے دلچسپی سے پڑھا جاتا اور بے تابی سے اس کا انتظار کیا جاتا تھا، عیسائی مشن، آریہ مشن، قادیانی مشن، شیعہ

(۱) بحوالہ فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناءاللہ امرتسری، ص:۴۳۔

مشن، بریلوی مشن اس کے وہ عنوانات تھے جس کے تحت ہر اشاعت میں ان مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کے چند مسائل پر بحث کی جاتی تھی''۔(۱)

یہ اخبار ۱۳؍نومبر ۱۹۰۳ء سے یکم اگست ۱۹۴۷ء تک چوالیس سال تک اسلام کی خدمت کرتا رہا، اس کے مجموعی صفحات ۳۵؍ہزار سے زیادہ بتائے جاتے ہیں۔(۲) بیچ میں دو تین بار یہ اخبار تعطل کا شکار ہوا اور کچھ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے اس کے بعض شمارے نہ نکل سکے، لیکن مولانا نے کمال فراست وجرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''مخزن ثنائی'' اور ''گلدستہ ثنائی'' نام سے دوسرا رسالہ شائع کر کے اس کمی کو پورا کر دیا۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی کے جمع کردہ اعداد وشمار کے مطابق (۴۴) سال کے کل شماروں کے صفحات کی مجموعی تعداد (۳۵) ہزار سے زائد ہے، اس مجلّہ میں صرف رد قادیانیت پر مولانا کے کل (۴۵۵) مضامین، رد بہائیت پر (۴۱) مضامین، رد آریت پر (۹۱) مضامین، رد شیعیت پر (۳۳) مضامین، رد نیچریت پر (۲۴) مضامین، رد بریلویت پر (۱۸) مضامین ہیں، اس کے علاوہ رد مودودیت، رد تقلید، اور خاکسار تحریک اور اس کے بانی کے رد وغیرہ پر بھی اس میں بہت سارے مضامین ہیں لیکن ان کی تعداد ڈاکٹر صاحب نے ذکر نہیں کی۔(۳)

مولانا کی صحافتی کاوشوں کا دوسرا مظہر ''مرقع قادیانی'' ہے جو جون ۱۹۰۷ء میں جاری ہوا، یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا، اس میں مرزا قادیانی کے دعوائے نبوت اور مسیح موعود ہونے کی تردید کی جاتی تھی، ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا کی (مباہلہ کے بعد) موت ہوگئی، اکتوبر ۱۹۰۸ء کو یہ رسالہ بند کر دیا گیا، اپریل ۱۹۳۱ء میں اس کا دوبارہ اجراء ہوا اور اپریل ۱۹۳۳ء تک برابر نکلتا رہا، پہلے مرحلے کے مضامین کا مجموعہ ۱۹۱۷ء میں ''مرقع قادیانی'' ہی کے نام سے شائع ہوا ہے۔(۴)

ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی لکھتے ہیں:

''مولانا نے قادیانیت کی تردید کے لئے ''مرقع قادیانی'' کے نام سے ایک مجلّہ جاری کیا، اسی طرح مجلّہ اہل حدیث میں کثرت سے اس کے خلاف تردیدی تحریریں لکھیں۔ اس تعلق سے آپ کے مضامین کی تعداد صرف مجلّہ اہل حدیث میں (۴۵۵) کو پہنچتی ہے''۔(۵)

(۱) بزم ارجمنداں، ص:۱۵۶۔

(۲) ملاحظہ ہو: ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی کا مقالہ بعنوان: "العلامة أبو الوفاء ثناء الله الأمرتسري ودفاعه عن الإمام المجدد محمد بن عبد الوهاب وانتصاره للملك عبد العزيز" مجلة جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، عدد: ۲٤، شوال ۱٤۱۹ ھ، ص:۱۰۴۔

(۳) ملاحظہ ہو: مجلة جامعة الامام......متفرق مقامات۔

(۴) ملاحظہ ہو: ماہنامہ محدث بنارس، خصوصی شمارہ صحافت کانفرنس مئی جون ۱۹۹۳ء، ص ۶۶، مضمون برصغیر ہند و پاک میں جماعت اہل حدیث کی صحافت کی تاریخ، از مولانا محمد مستقیم سلفی، وایضاً بزم ارجمنداں، ص ۱۵۹۔ (۵) مجلة جامعة الامام، ص ۱۱۳۔

مولانا کا تیسرا اخبار''مسلمان'' کے نام سے مئی ۱۹۰۸ء میں جاری ہوا، جو ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تاریخ کوشائع ہوتا تھا، بعد میں اسے ہفت روزہ کردیا گیا، مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے مطابق ۱۹۱۱ء میں یہ اخبار بند ہوا، اور مولانا محمد مستقیم سلفی صاحب کے بیان کے مطابق ۱۹۱۴ء تک جاری رہا، اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی کے بقول ۱۹۱۳ء تک، یہ اخبار مخالفین اسلام بالخصوص آریہ سماجیوں کی خلاف اسلام تحریروں کا جواب دینے کی غرض سے جاری کیا گیا تھا، چنانچہ اس رسالہ میں صرف رد آریت پر مولانا کے کل (۱۲۴) مضامین شائع ہوئے ہیں۔(۱)

## درس وتقریراور خطبہ:

''تصنیفی وصحافتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ مولانا اپنی مسجد میں نماز فجر کے بعد روزانہ درس قرآن مجید دیتے تھے، درس میں قرآن کے رموز ونکات دلنشیں اسلوب میں بیان کرتے اور معترضین کے اعتراضات اور غیر مذاہب کی اسلام پرنکتہ چینیوں کے مدلل جواب دیتے، درس کے وقت وہ اپنے پاس ایک چھڑی رکھتے تھے، کسی شخص کواونگھتا یا سویا ہوا دیکھتے تو چھڑی ہلا دیتے اور وہ چوکنا ہوکر بیٹھ جاتا۔

درس قرآن میں پڑھے لکھے بعض غیر مسلم بھی شریک ہوتے تھے، وہ لوگ مسجد میں ایک طرف ہوکر بیٹھ جاتے اور مولانا کے افکار وخیالات نہایت غور سے سنتے، اگر کوئی بات ان کے نزدیک حل طلب ہوتی تو درس کے بعد انتہائی احترام سے پوچھتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے''۔(۲)

جہاں تک جلسوں اور تقریروں کا معاملہ ہے تو ''جن جلسہ ہائے عام سے آپ نے خطاب فرمایا ان کی روداد تو درکنار صرف ان کی فہرست پیش کرنی بھی سخت دشوار ہے، کم ازکم آپ کے پبلک خطابات کی تعداد آپ کے مناظروں کی تعداد سے یقیناً زیادہ رہی ہوگی، اور آپ کے مناظروں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔

آپ ان پبلک خطابات میں جہاں اہل اسلام کو ہدایت ونصیحت فرماتے اور انہیں اسلام کی شاہراہ مستقیم پر پوری گرمجوشی کے ساتھ گامزن ہونے کی تلقین کرتے وہیں دشمنان اسلام کے باطل افکار وخیالات اور دعاوی ودلائل کی قلعی بھی کھولتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف مسلمانوں کے دل سے مخالفین کے پیدا کئے ہوئے بہت سے شکوک ووسوسے دور ہوتے تو دوسری طرف خود بہت سے مخالفین اسلام بھی حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے''۔(۳)

☆☆☆

(۱) ملاحظہ ہو: بزم ارجمنداں، ص:۱۵۹، ماہنامہ محدث بنارس مئی جون ۱۹۹۳ء، ص:۶۶ مجلۃ جامعۃ الامام......، ص:۱۱۱۔

(۲) بزم ارجمنداں، ص:۱۶۰۔

(۳) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناءاللہ امرتسری، ص:۲۷۔

# محفل میلاد
## ایک فکری وتجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد یونس ارشدؔ

ماہ ربیع الاول کی آمد آمد ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں عاشقانِ رسول عشق نبی کا مظاہرہ کرنے کے لئے بے تاب وکمر بستہ ہیں۔اب بازاروں اور گلیوں میں اسٹیج سجیں گے، نام نہاد فدایانِ مصطفیٰ کے جلوس نکلیں گے، روشنی کی جگمگاہٹ اور برقی قمقموں کی سجاوٹ سے نظریں خیرہ ہوجاتی ہیں اوران کے مقابلے میں رواشنی کی رات بھی بے نور نظر آتی ہیں، جوش وخروش کے ساتھ یہ ساری حرکتیں اور جذبہ ومستی کے ساتھ یہ تمام کارنامے والہانہ عشق نبی کے نام پرانجام پاتے ہیں،لیکن آیئے! ہم تھوڑی دیر فرصت نکال کر یہ سوچیں اور تجزیہ کریں کہ ان کی اہمیت کیا ہے؟ اوران تمام حرکتوں کے لئے شرعی قانونی جواز کیا ہے؟اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم محفل میلاد کی ابتداء سے لے کر آخری رسم میلاد کے ہر مرحلہ پر غور کریں اوراس پوری محفل کا تجزیہ (Analysis) کریں۔

(۱) یہ تو معلوم ہی ہے کہ قرآن وسنت اور تاریخ وسیر کی روشنی میں اس قسم کی میلاد کی کوئی محفل رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں سجائی گئی۔آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے کسی مرحلہ میں کبھی کسی نبی کی میلاد نہیں منائی اور نہ ہی اس طویل عرصہ میں اپنی میلاد منائی، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اقدس ﷺ کا یوم ولادت منایا نہ تابعین وتبع تابعین نے ایسی کوئی مجلس سجائی ائمہ مجتہدین ومحدثین کرام رحمہم اللہ کے مبارک دور میں بھی محفل میلاد سجانے کا سراغ نہیں ملتا۔ ورنہ کم ازکم یہ بات تو طے شدہ ہوتی کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ کون سی ہے۔افسوس کی بات ہے کہ ایک مخصوص فکر وعقیدہ کے لوگوں نے اس اہم تاریخ میں اختلاف پیدا کررکھا ہے۔اورآنحضرت ﷺ کی تاریخ وفات میں یعنی بے انتہا حزن وملال کے دن مسرت وبہجت کے شادیانے بجارہے ہیں اور بے پناہ خوشی کے جذبات سے مغلوب ہوکر گلیوں اور بازاروں میں جلوس نکال رہے ہیں اور عشق نبی کا نام لے کر جوش عقیدت کا مظاہرہ کررہے ہیں، جب کہ تاریخ وتقویم سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰-۲۲/ اپریل ۵۷۱ء بروز سوموار صبح کے سہانے وقت میں ہوئی ہے۔(سیرت ابن ہشام، الرحیق المختوم، رحمۃ للعالمین)

اگر بغور دیکھا جائے تو اپنے تمام اذکار وعقائد کی طرح اس معاملے میں بھی یہ حضرات الٹی گنگا بہارہے ہیں جو امور حقیقت میں ثابت شدہ ہیں انہیں نہیں مانتے اور جن چیزوں کا ثبوت نہیں ہے انہیں باور کراتے پھررہے ہیں۔تاریخ ولادت نبوی سے لے کر مروجہ میلاد کی آخری خود ساختہ رسم تک یہ حضرات مخالف سمتوں کی طرف دوڑے چلے جارہے ہیں اور کوئی شخص کسی

مرحلہ پر بھی اپنی صحیح سمت جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔

(۲) محفلِ میلاد کے منانے والے اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی کئی آیات پیش کرتے ہیں۔ وہ کون سی آیات ہیں؟ ان کا مفہوم کیا ہے؟ میں فی الحال اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ سوال یہ ہے کہ جو آیات محفل میلاد کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں کیا حاملِ قرآن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کو سمجھا یا نہیں سمجھا؟ اگر آپ ﷺ نے انہیں سمجھا تو آپ نے ان آیات پر عمل کرتے ہوئے اپنی حیات مبارکہ میں کتنی بار محفلِ میلاد منعقد کی؟ اور اگر آپ نے ان آیات کو سمجھنے کے باوجود محفلِ میلاد منعقد نہیں کی اور اس کا طریقہ نہیں بتایا تو کیا آپ ﷺ نے قرآن کریم کی ان آیات پر عمل نہیں کیا؟ یہی حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے جو قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے، کیا عربی زبان جاننے کے باوجود بھی انہوں نے قرآن کو نہیں پڑھا یا نہیں سمجھا؟ اگر سمجھا تو انہوں نے کتنی بار اور کب کب میلاد کی محفلیں سجائیں؟

(۳) مجھے اس بات سے بحث نہیں کہ محفلِ میلاد کب ایجاد ہوئی؟ اسے چوتھی صدی ہجری کے آخر میں فاطمی دور حکومت کے خلفاء نے ایجاد کیا۔ ۵۵۳ھ میں خلیفہ آمر باحکام اللہ نے اپنے عہد خلافت میں دوبارہ اس بدعت کو جاری کیا یا ساتویں صدی ہجری میں شہر ارمل میں ملک مظفر ابوسعید نے اسے رواج دیا۔ ان تاریخی تفصیلات سے مجھے کوئی غرض نہیں، میں تو صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ۱۰ھ میں جب حجۃ الوداع کے موقع پر دین اسلام کی تکمیل کی بشارت ساری دنیا کو مل چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دین کے ہر قانون وضابطہ نیز سارے کلیات وجزئیات پر عمل ہو چکا تھا، اور اللہ کے رسول نے اعلان کر دیا تھا کہ دین مکمل ہو چکا ہے، اب اس میں کسی قسم کی کمی وبیشی کی ضرورت نہیں، نیز آپ نے فرمایا تھا کہ ہمارے دینی امور میں اگر کوئی نئی چیز داخل کی گئی تو وہ مردود ہے۔ ایسی صورت میں عہد نبوی کے چھ سات صدیوں کے بعد اس رواجی میلاد کو کیا کہا جا سکتا ہے؟ یقینی بات ہے کہ یہ دین کا حصہ نہیں ہے پھر لازمی بات ہے کہ اسے بدعت کا نام دیا جائے گا۔

ثابت ہوا کہ جو لوگ اس بدعت پر عمل کر رہے ہیں اور اسے دین کا حصہ مان رہے ہیں وہ لوگ اللہ ورسول کے اس اعلانِ بشارت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ ان لوگوں کو دین میں کمی نظر آتی تھی، اس لئے انہوں نے اس میں یہ نئی چیز داخل کی۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ورسول کو شارع وقانون ساز بنانے کی بجائے وہ لوگ خود ہی دین کے قانون ساز بن بیٹھے۔ دینی معاملات میں یہ ہے ان کی مخالفانہ سوچ کا لازمی نتیجہ۔

(۴) اب آیئے یہ دیکھیں کہ میلاد کے تعلق سے ان لوگوں کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے انتظامی امور کو لیں، محفل میلاد کے لئے ایک اسٹیج تیار کرتے ہیں، اس پر چند کرسیاں ہوتی ہیں، میلاد خواں کے لئے کافی آراستہ وپیراستہ کرسی رکھی جاتی ہے، باقی سامعین دریوں پر بیٹھتے ہیں۔ اس اسٹیج وکرسی کے بارے میں ایک لطیفہ ملاحظہ کرتے چلیں۔

محفل میلاد کے ایک معتقد نے میلاد کی محفل آراستہ کی، اسٹیج کے وسط میں اس نے ہرے رنگ سے مزین ومنقش کرسی

رکھی اوراس کومختلف خوشبوؤں سے معطر کردیا، وقت ہوگیا، لوگ آنے لگے، خاص حضرات آتے تو اس مزین کرسی پر بیٹھنے کی کوشش کرتے، منتظم ان کومنع کردیتا کہ نہ نہ، یہ آپ کے لئے نہیں ہے، یہاں تک کہ جب سامعین کافی تعداد میں آگئے اوراب میلادخواں بھی تشریف لے آئے اور آتے ہی اس مزین ومعطر کرسی کی طرف بڑھے، منتظم نے پھر وہی طریقہ اختیار کیا اوران صاحب کو بھی کرسی پر بیٹھنے سے منع کرتے ہوئے کہا ’’نہ نہ، یہ آپ کے لئے نہیں ہے‘‘، سامعین میلاد شروع کرنے کا انتظار کررہے تھے، میلادخواں نے پوچھا: پھر کس کے لئے ہے؟ اس نے جواب دیا ’’آقا کے لئے‘‘ کون آقا؟ میلادخواں مولوی نے حیران ہوکر پوچھا۔ تعجب ہے آپ آقا کو نہیں جانتے اور میلاد پڑھنے آگئے ہیں؟ ارے حضرت! جن آقا کے لئے یہ محفل سجائی گئی ہے کیا آپ ان کو بھی نہیں جانتے؟ منتظم نے اس حیرانی کے انداز میں جواب دیا، چنانچہ وہ کرسی آخرتک خالی رہی اور مولوی جی نے جیسے تیسے بیٹھ کر داستان سنائی اور شیرینی کا اپنا حصہ لے کر چلتے بنے۔

بہرحال یہ مقام فکر ہے کہ یہ حضرات اپنے عقیدہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے تشریف لانے کے خیال سے آپ کے شایان شان نشست کا بھی انتظام نہیں کرتے، یہاں پر ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ میلاد کی محفل میں آپ کی پیدائش کا ذکر کیا جاتا ہے اوراسے حضرت آمنہ کے حمل سے شروع کرتے ہیں، ایام حمل کی پریشانیاں اور دردزہ کی تکلیفوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ذرا سوچئے! آپ کسی لیڈر کے اعزاز میں کوئی جلسہ منعقد کریں اوراس میں لیڈر کا تعارف سناتے ہوئے اس کی پیدائش اور پیدائش کے دشوار مراحل کے حوالے سے اس کی ماں کا ذکر کرنے لگیں تو وہ لیڈر آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ ایسا کرنا کیا اس کی تعریف ہوگی یا توہین؟

(۵) پیدائش کا ذکر پورا ہوتا ہے تو قیام کرتے ہیں اوراجتماعی طور پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ یہاں پر ان لوگوں کا یہ عقیدہ بھی معلوم کرتے چلئے کہ ان کے مذہب کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، اگر آپ حاضر وناظر ہیں تو میلاد کی محفلوں میں ازسرنو تشریف لانے کا کیا مطلب؟ وہ تو پہلے ہی سے حاضر وناظر ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے وہ لوگ پہلے آرام سے بیٹھے رہے اور محفل کے اختتام کے قریب کھڑے ہوتے ہیں، ان لوگوں کو تو پہلے ہی کھڑے رہنا چاہئے اور ہمیشہ کھڑے رہنا چاہئے کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق نبی پاک ﷺ ہمیشہ ہرجگہ حاضر وناظر ہیں۔

(۶) آیئے اب صلوٰۃ وسلام پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اس فرض کی ادائیگی کے لئے یہ حضرات قیام کرتے ہیں اور کھڑے کھڑے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، لیکن ایسا کیوں؟ بیٹھ کر بھی تو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاسکتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر ہی صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا طریقہ سکھایا ہے، التحیات میں پڑھا جاتا ہے ’’السلام علیک أیھا النبی‘‘ اوراس کے بعد درود شریف بھی بیٹھ کر ہی پڑھتے ہیں، اس طرح یہ صلوٰۃ وسلام خود اللہ کے نبی نے بیٹھ کر پڑھنے کی ہدایت کی ہے، قیام وقومہ اور رکوع وسجدہ میں درود وسلام بھیجنے کا حکم نہیں دیا ہے، پھر اس اصول وحکم کی خلاف ورزی کیوں؟ کیا اللہ عزوجل اوراس کے پیارے نبی کا بتایا ہوا طریقہ ان کو پسند نہیں؟ یہ خلافِ

شریعت طریقہ کس نے بتایا ہے کہ یہ نبی پاک ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ سے بھی محبوب طریقہ بن گیا؟

(۷) اس تعلق سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے لئے قیام سے منع فرمایا ہے اور آپ کا صریح حکم ہے ''لا تقوموا كما يقوم الأعاجم'' تم لوگ میرے لئے قیام نہ کرو جیسے عجمی لوگ اپنے پیشواؤں اور بادشاہوں کے لئے کرتے ہیں۔ صحابۂ کرام کا بیان ہے کہ ہم لوگ چاہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام قیام کریں لیکن چونکہ آپ نے اس سے روک دیا تھا اس لئے جب آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لاتے تھے تو ہم قیام نہیں کرتے تھے۔ اس طرح جب حقیقت میں رسول اقدس ﷺ کی مجلسوں میں تشریف لاتے تھے اور وہ قیام نہیں کرتے تھے، تو یہ لوگ کس بنا پر قیام کرتے ہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ جنت کی نعمتوں کو چھوڑ کر محفلوں اور بے نمازیوں کے مجمع میں تشریف لاتے ہیں؟ فيا للعجب۔

(۸) سو یہ ایک نکتے پر اپنے ذہن کو مرکوز کیجئے اور ان لوگوں کے صلوٰۃ وسلام کے الفاظ پر غور کیجئے، یہ لوگ کہتے ہیں یا نبی سلام عليك، رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''السلام قبل الكلام'' یعنی سلام کلام سے پہلے ہے۔ یعنی سب سے پہلے سلام کا لفظ زبان پر آنا چاہئے، اس کے بعد خطاب ہو یا کلام ہو جیسا کہ التحیات میں سکھایا گیا ہے ''السلام عليك أيها النبي''۔

معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی یہی ہے اور سکھایا ہوا طریقہ بھی یہی ہے کہ سلام پہلے ہونا چاہئے اور کلام بعد میں، لیکن اس حکم وتعلیم نبوی کے خلاف خطاب پہلے کرتے ہیں اور سلام بعد میں۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کا تقاضہ یہی ہے؟

(۹) اس سلام پر ایک دوسرے پہلو سے غور کیجئے۔ یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ''سلام عليك''، تحقیق طلب امر یہ ہے کہ ''سلام عليك'' کون سی زبان کی ترکیب ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اردو ہندی تو ہے نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ عربی ترکیب ہے۔ گر فرض کر لیں کہ یہ عربی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ترکیب جملہ خبریہ کی شکل میں ہے جس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ مبتدا اور خبر۔ اگر ہم ''سلام عليك'' کے ''سلام'' کو مبتدا مان لیں تو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مبتدا کے لئے معرف باللام یا منوّن ہونا ضروری ہے۔ یعنی ''السلام'' ہوگا یا ''سلامٌ'' ہوگا تبھی ترکیب ہوسکتی ہے لیکن اس ترکیب کو وضع کرنے والا تمام قواعد وضوابط سے بے نیاز نظر آتا ہے اور یہ حضرات ہیں کہ اس کا وظیفہ پڑھتے نظر آرہے ہیں۔

(۱۰) معلوم ہوا کہ جس شخص نے سرکار رسالت مآب ﷺ پر سلام پڑھنے کا یہ طریقہ ایجاد کیا ہے اسے عربی زبان اور اس کے قواعد وضوابط کا علم نہیں تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ محفل میلاد کے سلسلے میں اس کی تاریخ انعقاد کا طریقہ قیام اور صلوٰۃ وسلام سب کچھ بالکل غیر شرعی، دین کے مزاج کے خلاف اور جہالت وضلالت کے آئینہ دار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات ومحدثات سے محفوظ رکھے، آمین۔

☆☆☆

# اکیسویں صدی میں خواتین کی سماجی و تعلیمی حیثیت
## ایک تحقیقی مطالعہ

بقلم: کبیر الاسلام پاکوڑی
ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز
ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی

نحمده ونصلى على رسوله الكريم، أما بعد:

موجودہ صدی جہاں ایک طرف اپنے ساتھ بہت ساری نعمتیں لے کر آئی ہے، تو دوسری طرف ہمارے معاشرے کے لئے بہت سی اخلاقی برائیاں بھی لیکر آئی ہے۔ ہمارا ملک ہندوستان ایک ایسا ملک ہے، جس کی تہذیب وتمدن کی پوری دنیا میں تعریف کی جاتی ہے، یہ دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جہاں سماج میں عورت کو دیوی کا مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو مذہب میں سیتا، لکشمی، درگا، سرسوتی، پاروتی اور ان جیسی سیکڑوں دیویاں ایسی ہیں جن کی ہندو لوگ پوجا کرتے ہیں۔ لیکن آج ہمارا معاشرہ اتنا بگڑ چکا ہے کہ لوگوں کو عورتوں کی عزت نفس کی بالکل پرواہ نہیں۔ نوبت تو یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک ان کی پیدائش سے قبل ہی شروع ہو جاتا ہے۔ انہیں رحم مادر میں یا پیدائش کے بعد صرف اس لئے مار دیا جاتا ہے کہ وہ گھر والوں کے لئے مالی واقتصادی بوجھ نہ بن جائیں۔ ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق ہر سال 50 لاکھ جنین ضائع کرا دیئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ معصوم بچیوں کو جان سے ختم کرنے کے لئے مختلف طریقے اور ہتھکنڈے اپنائے جاتے ہیں، مثلا دودھ میں زہر ملانا، خسخس اور دھان کے دانے گلے میں ڈالنا، کالا نمک اور یوریا (Uria) کا استعمال کرنا، زہریلے پھلوں اور پھولوں کا رس پلانا اور بسا اوقات گلا گھونٹ کر مار ڈالنا، ہمارے معاشرہ کی پہچان بن چکی ہے، مادہ جنین کو ضائع کرا دیئے جانے اور دیگر طریقوں سے ہلاک کرنے کی وجہ سے لڑکیوں کی تعداد ایک ہزار لڑکوں کے مقابلہ میں 438 تک جا پہنچی ہے، 2001ء کی مردم شماری کے نتائج پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشی طور پر خوشحال ریاستوں میں جنسی تناسب میں کمی آتی ہے۔ گجرات، دہلی، پنجاب، اور ہریانہ میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد میں کمی آئی ہے۔ آخر الذکر دو

ریاستوں (پنجاب، ہریانہ) میں ایک ہزارلڑکوں کے بالمقابل لڑکیوں کی تعداد 820اور 793 تک پہنچ چکی ہے، یہ حکومت پنجاب کے حالیہ سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹیالہ سنسروال جیسے گاؤں میں تو ایک ہزارلڑکوں کے مقابلے میں یہ جنسی شرح گھٹ کر محض 438 رہ گئی ہے، اسی طرح ہماری ریاست جھارکھنڈ کی حالت بھی دن بدن خرب ہوتی جارہی ہے، اب تک کے اعداد وشمار کے مطابق ریاست جھارکھنڈ کے ہزاری باغ ضلع کی حالت سب سے زیادہ خراب ہے، یہاں دیہی علاقوں میں ایک ہزارلڑکوں کے مقابلہ میں 989 لڑکیاں ہیں، جبکہ شہری علاقوں میں یہ تعداد 833 ہے، ضلع سنگھ بھوم کے دیہی علاقوں میں 1000 لڑکوں پر 966 لڑکیاں اور شہری علاقوں میں 906 لڑکیاں ہیں، اگر 2002ء کے اعداد وشمار پر نظر ڈالیں تو لڑکیوں کی تعداد میں لگاتار گراوٹ آرہی ہے، 2002ء کے سروے کے مطابق شہری علاقے کے 1000 لڑکوں کے مقابلے میں 979 لڑکیاں تھیں، اس طرح اگر ہم دونوں سروے (Survey) پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ جنسی شرح میں کمی آئی ہے، ہم حکومت ہند سے امید کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی سخت قانون نافذ کرے گی تاکہ جنین کشی جیسی گھناؤنی حرکت کا سد باب ہوسکے، ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہمارے سماج میں کنوارے لڑکوں کی ایک ٹولی اور فوج تیار ہوجائے گی اور خواتین کے ساتھ ظلم وزیادتی، استحصال اور سربازاران کی عزت وناموس کو تارتار کرنے کے جو واقعات وحادثات پہلے سے ہنوز جاری ہیں ان میں مزید خطرناک حد تک اضافہ ہوجائے گا۔ ماہ دسمبر 2007ء میں منعقد کی گئی ایشیا پیسفک کانفرنس کے ایک علاقائی مطالعہ کے مطابق، ایشیائی ممالک میں بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد پیدائش میں روز بروز بڑھتے ہوئے اس فرق سے نہ صرف خواتین پر غیرانسانی دباؤ میں اضافہ ہوگا بلکہ آئندہ پچاس برسوں میں شادی کی پوری کارروائی ہی بحران کا شکار ہوسکتی ہے۔ اس مطالعہ میں ایک بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ اگر ایشیائی ممالک میں بھی جنسی شرح وہی ہوتی جو دنیا کے باقی ملکوں میں ہے تو ایشیائی ممالک میں خواتین کی موجودہ تعداد سے کم ازکم 16 کروڑ خواتین زیادہ ہوتیں، نیز مذکورہ مطالعہ کے مطابق جنسی پیدائش کی شرح، ایشیا کی دو بڑی طاقتوں (ہندوستان، چین) کے کچھ علاقوں میں خاص طور پر کافی تشویشناک ہے۔ ہماری حکومت اگرچہ ملک کی ترقی وخوشحالی کا دعوی کرتی ہے، لیکن خواتین کے استحصال اوران کے ساتھ کیا جانے والا ظلم وزیادتی کے معاملہ میں ہمارے ملک کا شمار دنیا کے دس سرفہرست ملکوں میں کیا جاتا ہے۔ محترمہ شازیہ ایم خان صاحبہ نے اپنی کتاب "The Fading Half Sky" میں بعض ایسی حقیقتیں بیان کی ہیں جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، انہوں نے عورتوں کے تعلق سے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ایک ہزار مرد پر صرف 923 عورتیں ہیں، اس تفریق کے اسباب درج ذیل ہیں۔ 50% عورتیں خون کی کمی کی شکار ہیں، 1/4 ہندوستانی لڑکیاں 15 سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتیں اور 40,000 عورتیں

ہر سال ڈلیوری کے دوران مرجاتی ہیں۔ تین عورتوں میں دو عورت ناخواندہ وان پڑھ ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں 35 ملین لڑکیاں اسکول نہیں جاتی، اس کے علاوہ مختلف طریقے سے خواتین ظلم وجبر کا شکار ہوتی ہیں، ہر تین منٹ پر عورتوں کے خلاف تشدد کا رویہ سامنے آتا ہے، ہر 9 منٹ پر شوہر یا ان کے رشتہ دار عورتوں پر تشدد کرتے ہیں، ہر 26 منٹ پر ایک عورت کے ساتھ چھیڑ خانی ہوتی ہے، ہر 29 منٹ پر ایک عورت کی عصمت دری کا کیس اندراج کیا جاتا ہے، ہر 53 منٹ پر عورت کو جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے، ہر 77 منٹ پر جہیز کے نام پر ایک موت ہوتی ہے، بہار میں صرف 33.7% عورتیں خواندہ ہیں جبکہ یوپی میں 43%۔ تقریباً ایک لاکھ 35 ہزار جرائم کے کیس ہندوستان میں جس میں 37% خانگی تشدد کا کیس ہے، تقریبا 90% جنین کشی ہوتی ہے، حمل کی وجہ سے ہندوستان میں تقریباً ہر سال 1,36,000 خواتین لقمہ اجل بن جاتی ہیں۔ ہیومن ڈیولپمنٹ (Human Development) کی رپورٹ کے مطابق 1.3 بلین غریب عوام ترقی پذیر ممالک میں رہتے ہیں، جن میں 70% خواتین ہیں یعنی دنیا کی 1.3 بلین غریب آبادی میں تقریبا 70% عورتیں ہیں۔

دنیا کے پارلیمنٹ میں عورتیں 10.5 فیصد ہیں، دنیا کے ایک بلین ناخواندہ لوگوں میں دو تہائی خواتین ہیں۔ 1.30% بلین بچوں میں دو تہائی جو اسکول نہیں جاتے وہ لڑکیاں ہیں، ہر سال 20 ملین غیر محفوظ اسقاط حمل ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں 70,000 عورتیں موت کی شکار ہوتی ہیں، 1,00,000 پیدائش میں 407 مائیں حمل کی وجہ سے مرجاتی ہیں، اس طرح ہزاروں لڑکیاں جہیز کی وجہ سے گھروں میں بیٹھی بوڑھی ہوتی جارہی ہیں، ان سب برائیوں کے پس پشت ہماری وہ ذہنیت کارفرما ہے جس کے تحت ہم نے دولت وثروت کے ہوس میں اپنی ساری روایات واقدار کو فراموش کردیا ہے، آج مرد کی سوچ محض عورت کو محکوم اور غلام سمجھتی ہے، ہمارے بعض دولت مندوں نے اپنی دولت کا خرید بڑھانے کی غرض سے عورتوں کو میدان میں اتارا۔ صابن، بچوں کا دودھ، کولڈ ڈرنگ، کاریں، گھڑیاں، کپڑے یعنی ہر چیز کے اشتہارات میں انہیں ننگا کردیا، اس صنف نازک کو آزادیٔ نسواں (Woman Liberty) اور مساوات کا جھانسہ دے کر ڈانس باروں، نائٹ کلبوں، دفتروں، کیفے وقہوہ خانوں تک کی سیر کرائی اور انہیں یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ یہ مقامات تمہیں سے شاد وآباد رہیں گے، نیز اخبارات کے مالکان نے اپنے اخباروں کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کی خاطر نیم عریاں تصویریں شائع کرنی شروع کردیں، ہندوستان کے بڑے اخبارات جو ضمیمے شائع کرتے ہیں ان میں نیم عریاں تصویریں شائع ہوتی ہیں، جن میں کپڑے کے نام پر بمشکل ایک باریک سی پٹی ہوتی ہے، جو ہر طرح سے بے حیائی کیفیت کی عکاسی کرتی ہیں، مردوں نے خود تو کپڑے پہن لئے لیکن عورتوں کو مساوات کے نام پر کپڑے کم پہنائے یا بالکل عریاں کردیا تاکہ ان کی جاذبیت

وپُرکشش بدن کو دیکھ کر ناظر وقاری شہوت کی آگ میں جل جائے۔ اب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عورت اپنے جسم کو کھولنے، دوسروں کو سونپنے کو اپنا حق سمجھنے لگی ہے، کچھ دنوں پہلے دلی کے ایک روزنامہ اخبار نے ایک رپورٹ شائع کی تھی کہ بہت سے نوجوان ایسے بھی ہیں، جو شادی کے لئے فربہ اور پُرکشش لڑکی اس لئے چاہتے ہیں تاکہ اس کی خوبصورت بیوی اپنی عزت بیچ کر پیسہ بھی کما کر دے۔ حد تو یہ ہے کہ اب طوائف کو سیکس ورکر کیا جانے لگا ہے، عورت کی خود اعتمادی کو بھی سیکس (Sex) اور جسم سے جوڑا گیا ہے۔ یو، این (U.N.) کے تحت ہونے والی عالمی کانفرنس اس کی زندہ مثال ہے، ایک کانفرنس مصر کی راجدھانی قاہرہ میں (عالمی آبادی فنڈ) سے منعقد کی گئی تھی، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ عورت کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ جب وہ چاہے بچہ پیدا کرے اور جب چاہے اسے گرا دے۔

معزز قارئین! خواتین پر مردوں کی اجارہ داری اور ان کے استحصال کا سلسلہ کوئی نیا نہیں ہے، قدیم زمانے میں جب معاشرہ میں تعلیم کا فقدان تھا، انسانی اقدار سے نا آشنائی تھی تو مردوزن کے مابین توازن کو برقرار نہ رکھ پانا لاعلمی کی وجہ سے تھا، مگر 21ویں صدی میں جب تہذیب وتمدن اور سائنس وٹیکنالوجی نے انسانی اذہان سے جہالت کی تیرگی کو ختم کر دیا ہو، پھر بھی معاشرے میں خواتین کے ساتھ استحصال، ظلم وزیادتی کی بودوباش کا ہونا یقیناً شرم کی بات ہے۔ الغرض آج خواتین کی حمایت میں لگائی گئی بازگشت تو ہر طرف سنائی دیتی ہے مگر اس پر عمل درآمد بہت ہی کم ہوتا ہے، یہاں تک کہ امریکہ جو خواتین کے حقوق کے تحفظ اور ترقی یافتہ اور مہذب ملک ہونے کا دم بھرتا ہے اس کا عالم یہ ہے کہ بے شمار عورتیں وہاں کے اسپتالوں میں زچگی کے دوران مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے مرجاتی ہیں۔ ایک پرائیویٹ تنظیم نے تقریباً 65 ملین اور خواتین سے ملاقات کی، ان میں 12 ملین خواتین نے اپنے شوہروں کے لئے ذلیل کرنے اور معاشرے میں رسوائی برداشت کرنے کا سبب انہیں (خاوندوں کو) بتایا، نیز امریکہ میں جہاں مردوزن کی آپسی رضامندی سے جسمانی تعلق قائم کرنے کی راہ بالکل کھلی ہوئی ہے وہاں خواتین کے ساتھ ہر 46 سیکنڈ میں چھیڑ چھاڑ کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔

یہ ہے 21ویں صدی کا بھیانک چہرہ، ماڈرن تہذیب وتمدن نے عورت کو بہت کچھ دینے کا ڈھونگ رچایا لیکن کیا دیا؟ عریانیت، ظلم وزیادتی اور جنسی استحصال۔

اس لئے مذہب اسلام نے آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل ان کی جانوں کا تحفظ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کو زندہ درگور نہ کرو، ان کو ماؤں کے بطن سے باہر آنے دو، انہیں بھی زندگی جینے کا موقع دو، انہیں بھی جینے کا پورا حق ہے، ان سے تمہاری دنیا وآخرت دونوں شاد وآباد رہیں گے۔ ٹھیک اسی طرح اسلام نے ان کی عزت وناموس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حکم دیا

کہ اے عصمت کے دیویو، حوا کی بیٹیو! تم گھر کے اندر ہی رہو، گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی تعلیم وتربیت اور اپنی آبرو کی حفاظت کرنا ہی تمہارا کام ہے۔ بلاضرورت گھر سے باہر قدم نہ رکھو۔ ہاں اگر نکلنا ضروری ہے تو کسی محرم کے ساتھ نکلو، بے محرم گھر سے باہر نہ نکلنا، ایسے کپڑے اور لباس پہن کر مت نکلنا جس میں تم عریاں نظر آؤ اور کسی کی نظر بد تم پر پڑے، راستے چلتے وقت ایک کنارے سے چلنا، پازیب اور خوشبو لگا کر نہ چلنا کہ اس کی آواز اور مہک سے کسی کے دل میں ہلچل پیدا ہو۔ دیکھو نائٹ کلبوں، ڈانس باروں اور ہوٹلوں کی زینت بننا تمہیں زیب نہیں دے گا۔ تمہاری عصمت وعفت کے لئے خطرہ ہوگا۔ سوشلزم، آزادیٔ نسواں اور مساوات کا نعرہ تمہارے حق میں سم قاتل ثابت ہوگا۔ اسلام کی یہ دور رس اور انمول تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو دنیا اسے حق تلفی، دقیانوسیت، قدامت پسندی اور فرسودہ جیسے نہ جانے اور کیا کیا عنوان دیتی ہے اور بلا تامل یہ کہہ دیتی ہے کہ میاں! یہ 21ویں صدی ہے، ماڈرن کلچر (Modern Culture) اور ماڈرن سوسائٹی (Modern Society) کا زمانہ ہے، اب فرسودہ اور پرانی باتیں کرنا بند کرو ورنہ تمہیں ہمارے ساتھ رہنے اور جینے کا حق نہیں۔

اے ماڈرن کلچر اور ماڈرن سوسائٹی کے مداحو اور متوالو! پہلے ذرا مذہب اسلام کی تاریخ اور تعلیمات کو باریکی سے پڑھو، منصفانہ نظروں سے پڑھو، پھر یہ کہو کہ اسلام نے عورت کو کوئی مقام دیا ہے یا نہیں۔ ساتھ ہی علماء ودانشوران اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ صحیح سمت سے آگاہ کریں۔ نیز بحیثیت مسلمان ہم سب کی دینی واخلاقی ذمہ داری اور فریضہ ہے کہ ہم دنیا کو بتائیں کہ قرآن کریم ایک عالمی کتاب اور اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، جو مکان زمان سے ماوراء ہے اور یہ کہ عورت کا صحیح مقام ومرتبہ کیا ہے؟ ان کی عزت وناموس، عصمت وعفت کی دھجیاں اڑانے اور ان کے حقوق کو پامال کرنے والوں کے خلاف صف آرا ہوں اور نوجوان طبقے سے معاشرہ کی اصلاح کے لئے تعاون اور مدد کی بھی باتیں کریں، نیز ہمارے معاشرہ میں ابھی بھی نیک خواتین کی کمی نہیں ہے جو تعلیم یافتہ ہیں اور مغرب زدہ خواتین سے مرعوب نہیں ہیں، وہ آگے آئیں اور صحیح مقام اور صحیح سمت سے مغرب زدہ خواتین کو آگاہ کریں تبھی حالات بہتر ہو سکتے ہیں، ورنہ مستقبل میں اس بے راہ روی کا کیا نتیجہ اور ثمرہ نکلے گا۔ معزز قارئین بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالی ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین، تقبل یا رب العالمین۔

☆☆☆

# وضو کے احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں

(۴)

مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی
مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، سعودی عرب

☆ **وضو کے شروع میں بسم اللہ کا حکم:**

وضو کے شروع میں بسم اللہ کی بابت اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا وہ واجب ہے یا سنت، امام احمد رحمہ اللہ اس کے واجب ہونے کے قائل ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه ".

اس شخص کا وضو نہیں جو اس پر اللہ کا نام نہ لے۔ (ابوداود، الطہارۃ، باب فی التسمیۃ علی الوضوء ح ۱۰۱، ابن ماجہ ۳۹۸، ترمذی ۲۵، اس حدیث کو بعض اہل علم نے ضعیف کہا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے کثرت شواہد کی بنا پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۱/۱۲۲ ح ۸۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تمام احادیث کو اکٹھا کرنے پر اس حدیث کو قوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے۔ (تلخیص الحبیر ۱/۷۵)

حافظ منذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس باب میں وارد احادیث پر گرچہ اہل علم نے کلام کیا ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے ان احادیث کو باہم ایک دوسرے سے تقویت پہنچتی ہے۔ (الترغیب والترہیب ۱/۱۰۰)

وجوب کے قائلین نے مذکورہ حدیث میں نفی سے صحت کی نفی مراد لی ہے یعنی اس شخص کا وضو صحیح نہیں ہے جو اس پر اللہ کا نام نہ لے۔ (الشرح المختصر علی متن زاد المستقنع ۱/۱۱۹، نیل الاوطار ۱/۱۷)

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے وضو کے شروع میں بسم اللہ قصدا چھوڑ دیا، تو اس کا وضو باطل ہے، اسے چاہئے کہ دوبارہ وضو کرے، اور اگر

بھول گیا تو اس کا وضو صحیح ہے‘‘۔(ترمذی ص ۸، منار السبیل ۱؍۳۵)

کیونکہ بھولا ہوا شخص معذور ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ان الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه "۔

اللہ نے میری امت سے بھول چوک اور زبردستی کرائے گئے کاموں کو معاف کر دیا ہے۔(ابن ماجہ، الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی ح ۲۰۴۵، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کے بیان کرنے والے ثقہ ہیں، دیکھئے: فتح الباری ۵؍۶۱۶، نیز حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی سند پر صحت کا حکم لگایا ہے، دیکھئے: جامع العلوم والحکم ص ۳۵۰)

جمہور اہل علم وضو کے شروع میں بسم اللہ کے سنت ہونے کے قائل ہیں، ان لوگوں نے نفی سے کمال کی نفی مراد لی ہے، یعنی اس شخص کا وضو مکمل نہیں ہے جو اس پر اللہ کا نام نہ لے۔(الشرح المختصر علی متن زاد المستقنع ۱؍۱۱۹)

بہرصورت وضو کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا ہر ایک کے یہاں مشروع اور اس کا چھوڑنا غیر مناسب ہے۔(الملخص الفقہی ۴۳)

امام حجاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’وضو، غسل اور تیمّم کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے، بھول کی وجہ سے نہ پڑھنے کی صورت میں وضو صحیح ہے اور اگر وضو کے بیچ میں یاد آجائے تو اسی وقت بسم اللہ پڑھ لے اور باقی وضو کو مکمل کر لے، اگر وضو سے فارغ ہونے کے بعد یاد آئے، تو بسم اللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا وقت فوت ہو چکا ہے اور وضو صحیح ہے، اگر کسی نے جان بوجھ کر بسم اللہ کہنا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ بعض اعضاء وضو کو دھولیا اور دوبارہ وضو نہ کیا تو اس کا وضو صحیح نہیں ہے‘‘۔(الاقناع للحجاوی ۱؍۴۰، الشرح المختصر علی متن زاد المستقنع ۱؍۱۱۹)

فتوی کمیٹی سعودی عرب کے ایک فتوی میں کہا گیا ہے:

’’وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، لیکن جس نے بھول کی وجہ سے یا حکم شرعی سے ناواقفیت کی بنا پر بغیر بسم اللہ پڑھے وضو کیا تو اسکا وضو صحیح ہے، لیکن جس نے جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق اس کا وضو باطل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس شخص کا وضو نہیں جو اس پر اللہ کا نام نہ لے‘‘۔(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۵؍۲۰۳)

## (۸) وضو کا مسنون طریقہ:

وضو کرنے والا سب سے پہلے دل میں وضو کی نیت کرے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ زبان سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے زبان سے نیت نہیں کی، نیت دل کے ارادہ کا

نام ہے اوراللہ دل کے ہرارادہ سے واقف ہے۔

وضو کے شروع میں ''بسم اللہ'' کہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جوشخص وضو کے شروع میں اللہ کا نام نہیں لیتا، اس کا وضو نہیں''۔

پھر دونوں ہاتھ پہنچوں تک تین بار دھوئیں۔ (بخاری، الوضوء، باب مسح الرأس کلہ ۱۸۵، مسلم، الطہارۃ، باب صفۃ الوضوء وکمالہ ۲۲۶)

پھر دائیں ہاتھ سے ایک چلو پانی لے کر آدھے سے کلی کریں اور آدھا ناک میں ڈالیں اور ناک کو بائیں ہاتھ سے جھاڑ دیں، یہ عمل تین دفعہ کریں۔ (بخاری ۱۸۵، مسلم ۲۳۵، نسائی، الطہارۃ، باب بأی الیدین یستنثر ۹۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح النسائی ۱/۲۱ ح ۸۹)

پھر تین بار منہ دھوئیں۔ (بخاری ۱۸۵، مسلم ۲۳۵)

پھر ایک چلو پانی لے کر ٹھوڑی میں داخل کریں اور داڑھی کا خلال کریں۔ (ابوداود، الطہارۃ، باب تخلیل اللحیۃ ۱۴۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۱/۱۳۰ ح ۹۲)

پھر دایاں ہاتھ کہنیوں سمیت تین بار دھوئیں اور انگلیوں کے درمیان خلال کریں۔ پھر اسی طرح بایاں ہاتھ بھی کہنیوں سمیت تین بار دھوئیں اور انگلیوں کے درمیان خلال کریں۔ (بخاری ۱۸۵، ۱۶۴، مسلم ۲۲۶، ۲۳۵، ابوداود، الطہارۃ، باب فی الاستنثار ۱۴۲، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری ۱/۳۱۵'' میں کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداود: ۱/۲۹ ح ۱۲۹)

پھر پورے سر کا ایک بار مسح کریں، دونوں ہاتھوں کو نئے سرے سے پانی سے تر کریں اور سر کے اگلے حصہ پر رکھیں، پھر دونوں ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ سے پیچھے گدی تک لے جائیں، پھر پیچھے سے آگے اسی جگہ واپس لے آئیں جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔ (بخاری ۱۸۵، مسلم ۲۳۵)

پھر دونوں کانوں کا ایک بار مسح کریں، شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کریں اور دونوں کانوں کے اوپری حصہ پر انگوٹھوں کو نیچے سے اوپر کی جانب پھرائیں۔ (ابوداود، الطہارۃ، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ۱۲۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداود ۱/۲۹ ح ۱۲۹)

پھر دایاں پاؤں ٹخنوں سمیت تین بار دھوئیں اور انگلیوں کے درمیان خلال کریں، پھر اسی طرح بایاں پاؤں بھی ٹخنوں سمیت تین بار دھوئیں اور انگلیوں کے درمیان خلال کریں۔ (بخاری ۱۸۶، مسلم ۲۳۵، ۲۴۶، ابوداود ۱۴۲، ترمذی، الطہارۃ، باب فی تخلیل الاصابع ح ۳۹، علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، دیکھئے: صحیح الترمذی ۱/۴۲)

### ☆ کلی اور ناک کے لئے الگ الگ پانی لینا:

کلی اور ناک کے لئے الگ الگ پانی لینے کا ذکر سنن ابوداود کی جس حدیث میں آیا ہے اس کو اہل علم نے ضعیف کہا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ نے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، آپ وضو فر مار ہے تھے اور پانی آپ کی داڑھی اور منہ سے سینے پر بہہ رہا تھا، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کلی اور ناک کے لئے الگ الگ پانی لے رہے تھے۔ (ابوداود، الطہارۃ، باب فی الفرق بین المضمضۃ والاستنشاق ۱۳۹، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۹/۱۸۱ح ۴۱۰) (۱)

اس مسئلہ میں امام نووی اور ابن القیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ چلو سے آدھا پانی منہ میں اور آدھا ناک میں ڈالنا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی ہتھیلی سے کلی کیا اور ناک میں پانی ڈالا............۔ (بخاری ۱۹۱، مسلم ۲۳۵، شرح النووی علی صحیح مسلم ۲/۱۰۸، ۱۲۵، زاد المعاد ۱/۱۸۴)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے وضو فرمایا، انہوں نے وضو میں ایک چلو پانی لیا اس سے کلی کیا اور ناک میں پانی ڈالا......۔ (بخاری، الوضوء، باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ ۱۴۰)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں ایک ہی چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی دلیل ہے''۔ (فتح الباری ۱/۲۹۱)

عبد خیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک کرسی لائی گئی، علی رضی اللہ عنہ اس پر بیٹھے، پھر پانی کا ایک کوزہ (لوٹا) لایا گیا، آپ نے تین بار اپنا ہاتھ دھویا، پھر ایک ہی چلو سے کلی کیا اور ناک میں پانی ڈالا......۔ اور آخر تک حدیث کو ذکر کیا۔ (ابوداود، الطہارۃ، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ح ۱۱۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداود ۱/۲۴ح ۱۰۴)

اور سنن نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر ایک ہی ہتھیلی سے کلی کیا اور ناک میں پانی ڈالا، ایسا تین مرتبہ کیا۔ (نسائی، الطہارۃ، باب عدد غسل الوجہ ح ۹۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح النسائی ۱/۳۹)

اس باب میں اور بھی احادیث وارد ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ وضو یہ تھا کہ آپ ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک میں ڈالتے، یعنی آدھے سے کلی کرتے اور آدھا ناک میں ڈالتے تھے۔ (جاری)

☆☆☆

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے، تفصیل کے لئے مراجعہ فرمائیں: تحفۃ الاحوذی ۱/۱۳۱، ضعیف ابوداود ص ۱۴ح ۲۴، تہذیب الاسماء ۲/۷۵، تلخیص الحبیر ۱/۷۸، تقریب التہذیب ۱/۴۶۴، عون المعبود ۱/۱۸۴۔

# مولانا عبدالباری صاحب جھمکاوی

مولانا محمد حنیف مدنی
مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

آپ مجاہد شمشیر وقلم مولانا عبدالکریم صاحب مسلم کے پوتے اور مولانا عبدالرشید صاحب جھمکاوی کے سب سے چھوٹے فرزند تھے آپ کی ولادت ۲۰ ردسمبر ۱۹۱۲ء میں ہوئی آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والدمحترم سے حاصل کی پھراس کے بعد مدرسہ اسلامیہ جھمکا میں داخلہ لیا۔ آپ نے اپنے بھائی استاذ محترم مولانا ابوالخیر صاحب سے مدرسہ اسلامیہ جھمکا میں جامع امام ترمذی کی تعلیم حاصل کی اور دوسرے علوم وفنون کی تعلیم وتکمیل کرنے کے بعد مزید علم کا شوق پیدا ہوا تو اپنے بھائی استاذ محترم مولانا ابوالخیر صاحب کی رائے ومشورے کے بعد دہلی کا رخ کیا اور صحیحین و دیگر کتب حدیث پڑھنے کی غرض سے ہندوستان کا مشہور ومعروف اہلحدیث کا مرکزی ادارہ جامعہ رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور وہاں کے بڑے بڑے شیوخ کی شاگردی اختیار کی ہر قسم کے علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ضلع چمپارن اوراس کے مضافات میں علمی تحریک کا سکّہ جمایا اور آپ جس طرح زبردست عالم وفاضل تھے اسی طرح کانگریس کے لیڈر وآزادئ ہند کے ہیرو تھے کانگریسی حلقے میں آپ عبدالباری کے بجائے باری صاحب کے نام سے مشہور تھے۔

ہندو مسلم دونوں جماعتوں میں آپ کی بڑی قدر تھی۔ ڈاکٹر پپن بہاری ورماڈی کے شکار پور سابق ممبر آف پارلیمنٹ (ایم، پی) جو صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کے داماد تھے، آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑی محبت سے پیش آتے تھے، ضلع چمپارن کے بڑے بڑے لیڈر آپ کے یہاں آتے جاتے آپ بھی ان کے یہاں تشریف لے جاتے اس لئے کہ آپ کے دور میں مہمان لیڈروں کی بڑی آمد تھی آپ مہمان لیڈروں کی خواہ وہ ہندو ہو یا مسلم بڑی عزت وقدر کرتے تھے۔

مجاہد شمشیر وقلم مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۳۰ء سے ہندوستان کی جنگ آزادی میں شامل ہوکر مولانا ابوالکلام آزاد، چندر شیکھر آزاد، صدر جمہوریہ راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی جی کے ساتھ انگریزوں سے مورچے پر ٹکر لی ہے۔ ۱۹۴۲ء کی آندولن میں ’’انگریزو! بھارت چھوڑو‘‘ کا نعرہ لگایا اس لئے جب مہاتما گاندھی جی کو جیل میں ڈالا گیا تو آپ بھی ان کے ساتھ جیل گئے۔ ہندوستان کی آزادی میں بہار کے سابق وزیر اعلیٰ عبدالغفور آپ کے جھولا بردار شاگرد تھے اور سیاست کے میدان میں ضلع چمپارن کے لوگ آپ کے سیاسی کاموں میں محتاج ہوتے تھے۔ ۱۹۵۷ء میں ہندوستان کے سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو رکسول آئے تھے ان کے آنے سے قبل آپ نے انہی پر ایک خطبہ استقبالیہ نظم بنا کر پیش کیا جب خطبہ استقبالیہ نظم کو انھوں نے سنا تو آپ سے خوش ہوکر گلے سے گلہ لگاتے ہوئے کہا مولانا آپ

ہم سے کچھ مانگیں میں آپ کو دینے کے لئے تیار ہوں آپ نے کچھ نہیں مانگا۔تو پندرہ بگہہ زمین کا کاغذ لکھ کر ضلع کلکٹر کو حکم دے دیا کہ یہ زمین مولانا کو دے دینا،کلکٹر نے زمین آپ کو دے دیا،آپ جب سے میدان سیاست میں آئے تو گھر بالکل ہی نہیں رہتے تھے۔ایک مرتبہ آپ سفر پر تھے، جے پور اسٹیشن پر گاڑی پکڑنے کے لئے انتظار کررہے تھے کہ اتنے میں گاڑی آئی اور آپ اس پرسوار ہوگئے جس ڈبہ میں آپ بیٹھے تھے اسی میں زیرہ دیئی کے ایک وکیل بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ کے ساتھ دو اور عالم بھی بیٹھے تھے،وکیل صاحب اوران دونوں مولانا سے گاڑی ہی میں بحث ومباحثہ شروع ہوگیا۔بحث ومباحثہ میں یک بعد دیگرے دونوں مولانا لاجواب ہوگئے اس کے بعد مولانا عبدالباری صاحب کی باری آگئی دونوں آدمی کے مابین زبردست بحث شروع ہوگئی ۔دونوں طرف سے سوالات وجوابات شروع ہوئے جس میں وکیل صاحب لاجواب ہوگئے۔پھر وکیل صاحب نے پوچھا مولانا آپ کا آبائی وطن کہاں ہے آپ نے اپنے آبائی وطن کو بتایا۔تب وکیل صاحب کو معلوم ہوگیا کہ آپ ہمارے ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں آج تک ہم کوکسی نے لاجواب نہیں کیا،وکیل صاحب نے آپ کو اپنے یہاں (زیرہ دیئی ) لے جانے پر اصرار کیا،آپ ان کے ساتھ زیرہ دیئی چلے گئے۔

**وفات:**

آپ کانگریس لیڈران کے اجلاس دہلی میں مدعو کئے گئے تھے وہاں پر آپ نے مذہبی وسیاسی تقریریں فرمائی تھیں اس اجلاس کے خاتمے کے بعد آپ دہلی سے اپنے گھر واپس آرہے تھے کہ ضلع مغربی چمپارن کے سکٹا ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اترتے وقت آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔اس مرض مہلک کے بعد آپ دو برس تک اس دنیا فانی میں زندہ رہے اور بالآخر ۱۹۴۷ء کو بروز جمعہ شام سات بجے بمقام پرسونی میں آپ کا انتقال ہوگیا۔آپ کے انتقال کی خبر فوراً علاقے میں بجلی کی طرح پھیل گئی جنہوں نے بھی آپ کی خبر وفات سنی تو آپ کی جدائی پر غم وافسوس کا اظہار کیا اور آپ کے دفن میں مسلم اور غیر مسلم سبھوں نے شرکت کی۔ہندوستان کے تمام بڑے بڑے لیڈروں نے آپ کے مرنے پر تعزیتی پیغام بھیجا تھا۔

آپ کی اولاد میں تین لڑکیاں اور تین لڑکے تھے۔

**لڑکوں کے اسماء علی الترتیب یہ ھیں:** مولانا عبدالباقی صاحب، ڈاکٹر عبدالماجد صاحب ،مولوی عبدالحامد صاحب۔

**لڑکیوں کے اسماء یہ ھیں:** کوثر خاتون،نعیمہ خاتون،فروغ آمنہ خاتون۔

**تصنیفی خدمات:**

آپ کو انگریزی کی اچھی معلومات تھی اور سنسکرت میں بھی دسترس رکھتے تھے۔

(۱) پنچایت دَرْ پَن (ہندی میں )یعنی آئین پنچایت۔صفحات:۲۴متوسط سائز مطبوع۔

(۲) مفید المز ارعین (قلمی) رسالہ

(۳) مفہوم ایمان اور اسلام (قلمی) رسالہ

(۴) ید بیضاء (قلمی) یہ رسالہ فقہ حنفی کی تاریخ میں ہے اس میں حنفی مسلک کے متعلق راہ اعتدال کو اختیار کیا گیا ہے۔

(۵) دوتھانے کی جان پہچان (قلمی) ہندی میں منظوم ہے۔سکٹا اور بیناٹانڈ کے اہم ہندو اور مسلمان کی پہچان ہے۔

(۶) خاتم النبیین (قلمی) رسالہ

(۷) تاریخ نیپال (قلمی)

(۸) اسلام دین فطرت ہے۔(قلمی)

(۹) سپارۂ دل (ومنظوم قلمی)

**مرجع ومصدر:**

(۱) تذکرہ ڈاکٹر عبدالماجد۔

(۲) تاریخ جھمکا از فراق الاعظم جھمکاوی۔

(۳) ڈاکٹر عبدالماجد کا بیان۔

☆☆☆

# لا إله إلا الله

**سالک بستوی**

وظیفہ جس کا بنا لا الہ الا اللہ
اسی کو دے گا مزا لا الہ الا اللہ

قبا ملی ہے جو صحن چمن میں خوشبو کی
تو کہہ رہی ہے صبا لا الہ الا اللہ

رہا جو پیٹ سے مچھلی کے ہوگئے یونس
بصد سرور کہا لا الہ الا اللہ

کلس یہ گنبد بے در کے دیکھ اے کافر
قلم نے "کن" کے لکھا لا الہ الا اللہ

ابھی کہیں نہ کہیں جاکے گور کے اندر
کہیں گے شاہ و گدا لا الہ الا اللہ

نہ چھو سکے گی جہنم کی شعلگی اس کو
جگر میں جس کے بسا لا الہ الا اللہ

کتاب ہستی کو سالک نے غور سے دیکھا
ورق ورق پہ سجا لا الہ الا اللہ

☆☆☆

# جدید سائنسی ایجادات
## کے دو پہلو

راشد حسن فضل حق مبارکپوری
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

دور جدید میں سائنس وٹیکنالوجی کی جو دھما کہ خیز ترقی ہوئی ہے، وہ بالکل واضح ہے، انسانی معاشرہ میں خوشگوار تبدیلی پیدا کی، وقت کے صحیح استعمال کے لئے تیز رو سواریاں، صحت وتندرستی کے لئے جدید ومفید دواؤں کا انکشاف، مظاہر فطرت کی دریافت، متنوع وگونا گوں خصوصیات کے حامل آلات ومشین۔

بایں ہمہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس جدید تکنیکی ترقی نے انسانی افکار وخیالات میں بھی زبردست تبدیلی پیدا کی، سترہویں صدی کے آتے آتے سائنس اپنی آخری حدود کو تجاوز کرگئی، یعنی مذہب سے متصادم اور ابدی حقیقتوں سے برسر پیکار ہوگئی، یہی دراصل مذہب وسائنس کی باہمی کشمکش کا نقطۂ آغاز ہے، پھر الحاد ولادینیت نے جلد ہی پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور پھر افکار ونظریات کی ایک لامحدود دنیا وجود پذیر ہوئی، کمیونزم، سوشل ازم، کیپٹل ازم، سیکولرازم، مارکس ازم اور بے شمار افکار ونظریات اسی تکنیکی ارتقاء کے پیش خیمہ تھے۔

نویں صدی کے بعد خوارزمی، ابن حیان، ابن الرشد، ابن زہیر، المسعودی وغیرہم اسلامی سائنس کے ہیرو کہے جاسکتے ہیں۔

۱۲ویں صدی اور پھر ۱۳ویں صدی تک اسلامی سائنس آفتاب عالم کی پیشانی پر جلوہ گر تھی، یہی وجہ ہے کہ ۱۴ویں صدی یا اس کے بعد جو تکنیکی وسائنسی ساخت بنائی گئی، اس میں اسلامی سائنس کے نقوش صاف طور پر ظاہر تھے، اسلامی سائنس کے زوال کے بعد ۱۶ویں صدی او ۱۷ویں صدی جدید سائنسی ارتقاء کا بام عروج ہے، انہیں دونوں صدیوں کو آج کی تاریخ میں ٹیکنالوجی کے حوالے سے انقلابی حیثیت حاصل ہے۔ یہی دراصل یورپ کی نشاۃ ثانیہ ہے۔

قابل غور بات یہ بھی ہے کہ انقلاب سے ماقبل کے سائنسی وتکنیکی انکشاف کے مقاصد اور انقلاب کے مابعد کے مقاصد میں کافی تفاوت اور نمایاں فرق ہے۔

اس پہلو سے انقلاب سے پہلے سائنس کا مقصد خدا کی حقیقت ومعرفت کی تلاش تھی، لیکن مابعد انقلاب صرف محتاط لفظوں میں اگر ہم کہہ سکتے ہیں تو یہ کہ فطرت کے اسرار ورموز کو بے نقاب کرنا تھا، اسی وجہ سے اس میں مثبت ومنفی پہلو یعنی رحمت وزحمت کے پہلو خود بخود نکل آتے ہیں، یعنی سادے لفظوں میں یہ کہ جدید تکنیکی ترقی نے انسانیت کو کن کن فوائد سے

ہمکنار کیا اور کن کن نقصانات سے دوچار کیا۔

مثبت ومنفی پہلو کی مختصر وضاحت کے بعد اصل مطمح نظر کی طرف لوٹتے ہیں۔

بلاشبہ جدید سائنس نے مختلف ومتنوع جدید افکار وعلوم کی تخلیق کی اور ایسی ناقابل یقین اور حیرت انگیز ترقی کی کہ انسانیت کو اس سے بہت سی آسانیاں فراہم ہوگئیں، خوشگواری آئی، آسائش ملی، مثلا آج سے چند سال قبل لوگ حج کرنے پانی کے جہاز سے جاتے تھے، اور خویش واقارب ان کی موت وحیات کا فیصلہ اللہ کے حوالے کردیتے، دن کے دن، ہفتے کے ہفتے تاحد نگاہ پانی میں گذر جاتے، پھر امید وبیم کے طویل مرحلے سے گذر کر کہیں منزل نظر آتی۔

لیکن آج ایسا کچھ نہیں ہے، صرف چار گھنٹے کی مختصر سی مدت میں ہندوستان سے عرب تک کا سفر بالکل کھیل سا بن گیا ہے، یہ اسی تکنیکی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔

اور اس کے علاوہ مواصلاتی ارتقاء نے دنیا کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے، سات سمندر پار کا شخص دوسری جانب بالکل آسانی سے رابطہ رکھ سکتا ہے، ساتھ ہی ترسیل معلومات بالکل سہل ہوگئی ہے، زراعتی میدان میں بھی بہت ساری آسانیاں ملی ہیں، اور صحت وتندرستی کے بقاء کے لئے مختلف قسم کی دوائیں ایجاد ہوئی ہیں، ترقی میں سب سے زیادہ نمایاں چیز انٹرنیٹ، کمپیوٹر اور موبائل ہے۔

اس منظر نامے کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ مشکل نہیں کہ اس جدیدیت کے منفی پہلو کیا ہیں، اس نے آزادانہ تحقیق، بےباکانہ مطالعہ اور معروضی جائزہ کا دروازہ کھول کر جہاں تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے، وہیں اس آزادی سے مادہ پرستی، بولہوسی اور لادینیت جو محدود دائرہ میں تھیں اب ان کا دائرہ وسیع تر ہو چکا ہے، اس کے علاوہ ان تمام آرائش نے غیر معمولی تن آسانی اور اس مادیت نے روحانی سکون سلب کرلیا ہے، اس لئے کہ اس سے انسانی معاشرہ دین ومذہب سے دستبردار ہوتا اور کنارہ کشی اختیار کرتا ہی چلا گیا، سائنس وٹیکنالوجی کے ارتقاء میں ہتھیاروں کے باب میں جو خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے، اور انواع واقسام کے مہلک ہتھیار وجود پذیر ہوئے یں، کہ بیک جنبش انگشت دنیا کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے کافی ہیں، ایسی حالت میں ہر شخص دوسرے سے، ہر ملک دوسرے ملک سے سہما ہوا ہے، امن وسلامتی کا زبردست فقدان اور صلح وآشتی کا غیر معمولی بحران ہے، دہشت وبربریت کا دور دورہ ہے، کوئی کسی سے محفوظ نہیں، سب کو سب سے خطرہ لاحق ہے، یہ در اصل اسی ترقی کا شاخسانہ ہے۔

اس ضمن میں سب سے اہم چیز جو ہمارے مطمح نظر ہے، وہ اسلامی تہذیب وثقافت میں اس تکنیکی دور کی تباہ کن دخل اندازی، اسلامی اصول واقدار کے خلاف اس کا کھلا وجارحانہ چیلنج ہے۔

کیونکہ آج انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعہ فحاشی وعریانیت کا جو ننگا ناچ ہو رہا ہے، لب ساحل، کلب ورقص گاہوں نے عبادت گاہوں اور خانقاہوں کی جگہ لے لی ہے، یہی اسلامی تہذیب کے منافی اور اس کے لئے چیلنج ہے، جسے کبھی بھی قبول نہیں

کیا جاسکتا، موبائل ایک چھوٹا سا آلہ ہے، مگر اس نے کتنوں کی عصمت تار تار کی کتنوں کی عزت پانی میں ملا دیا، بدکاریاں عام ہوئیں، لیکن اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ غلطی غلطی نہیں رہ گئی، گناہ کا تصور انسانی معاشرے سے نکل چکا ہے، نیکیوں اور اچھائیوں کا چراغ ٹمٹا رہا ہے، بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے انسان اس قدر بے فکر اور بے حس ہو چکا ہے کہ بسا اوقات برائیوں کے ارتکاب پر فخر بھی محسوس کرتا ہے، اس سلسلے میں صرف بڑی غلطی کی نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے۔

آج کل موبائل کی گھنٹیوں میں تلاوت (Save) محفوظ رہتی ہے، فون آیا، قرآن کی آیات گھنٹی کے بجائے بجنے لگی، اور پھر آیات کو کاٹ کر فون ریسیو کرلیا جاتا ہے، اور ہمیں اس بے حرمتی کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔

یہ بظاہر دیکھنے اور سوچنے میں ایک چھوٹی سی چیز معلوم ہوتی ہے، مگر کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ہم بھی "أن تحبط أعمالكم وأنتم لا تشعرون" (۱) کے مستحق قرار پائے۔

قرآن کے تعلق سے خود قرآن مجید نے اور حدیث شریف نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ (۲)

ترجمہ: جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو اسے خاموشی کے ساتھ (بغور) سنو تاکہ تمہارے اوپر رحم کیا جائے۔

گویا دو شرطوں کی بنیاد پر انسان قابل رحمت الٰہی ہے۔

(۱) استماع: یعنی جسمانی وروحانی طور سے تلاوت کی طرف متوجہ رہنا۔ (۳)

(۲) انصات: پورے وقار وخاموشی سے سننا۔

جب انسان ان دونوں شرطوں پر پورا اترے گا تو وہی دنیا وآخرت میں رحمت الٰہی کا سچا مصداق ہوگا اور "لعل" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پوری شرطیں مکمل کرنے کے بعد رحم کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہاں ایک حدیث نقل کی جارہی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید کس سلوک واحترام کا سزاوار ومستحق ہے۔

عن عقيل بن جابر عن جابرؓ قال خرجنا مع رسول الله ﷺ يعنى فى غزوة ذات الرقاع فأصاب رجل امرأة رجل من المشركين فحلف أن لا أنتهى حتى أهريق دما في أصحاب محمد فخرج يتبع اثر النبى ﷺ فنزل النبى منزلا فقال من رجل يكلؤنا فانتدب رجل من المهاجرين ورجل من الأنصار فقال كؤنا بفم الشعب قال فلما خرج الرجلان إلى فم الشعب اضطجع

(۱) سورۃ الحجرات: ۲۔ (۲) سورۃ الاعراف: ۲۰۴۔

(۳) استمعه له واليه: سمع وأصغى کان لگا کر سننا، اور أنصت: استمع، أحسن الاستماع للحديث، وفلانا أسكته، یعنی عمدگی سے سننا و کسی کو خاموش کرنا۔ المعجم الوسيط، مادہ س م ع، ن م ت۔ نیز اوپر مذکورہ معنی مختلف تفاسیر کی روشنی میں خلاصے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

المهاجرى وقام الأنصاري يصلى، وأتى الرجل، فلما راى شخصه عرف انه ربيئة للقوم، فرماه بسهم فوضعه فيه، فنزعه، حتى رماه بثلاثة اسهم، ثم ركع وسجد، ثم انتبه صاحبه، فلما عرف أنهم قد نذروا به، هرب فلما رأى المهاجرى ما بالأنصارى من الدماء قال سبحان الله ألا أنبهتنى أول ما رمى قال إنى كنت في سورة أقرأها فلم أحب أن أقطعها۔ (۱)

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی معیت میں غزوۂ ذات الرقاع کے لئے نکلے تو ایک صحابی نے غلطی سے مشرک شخص کی بیوی کو قتل کردیا، تو اس نے یہ قسم کھائی کہ جب تک محمد ﷺ کے کسی ساتھی کا خون نہ بہالوں، چین سے نہیں بیٹھوں گا، چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر وہ اللہ کے رسول ﷺ کا تعاقب کرنے لگا، دریں اثنا اللہ کے رسول نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، صحابہ کرام کو جمع کرکے ارشاد فرمایا کون ہے جو رات میں ہماری نگہبانی کرے؟ اتنا کہنا تھا کہ جھٹ مہاجرین وانصاری کے ایک ایک صحابی آپ کی فرمانبرداری کے لئے کمر بستہ ہوگئے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں کو ہدایت فرمائی کہ دونوں گھاٹی کے بالکل سرے پر چلے جاؤ، جب دونوں وہاں پہنچ گئے، اور وہاں آس پاس کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا تو مہاجر صحابی سو رہے اور انصاری صحابی نماز میں مشغول ہوگئے، تبھی تاک میں بیٹھا مشرک سمجھ گیا کہ یہ مسلمانوں کا جاسوس ہے، جھٹ اس نے تیر چلایا وہ ان کے جسم میں پیوست ہوگیا، انہوں نے اس کو کھینچ کر نکال لیا مگر اس نے تین تیر پے در پے چلائے، نماز سے فراغت کے بعد اپنے ساتھی کو انہوں نے بیدار کیا، اب مشرک آدمی جان چکا تھا کہ ان دونوں کو میری جگہ کا علم ہو چکا ہے، لہذا وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا، پھر جب مہاجر صحابی کی نظر انصاری کے خون آلود جسم پر پڑی تو انہوں نے تعجب سے کہا سبحان اللہ، اللہ کی ذات پاک ہے، جب آپ کو پہلی تیر لگی تھی تو آپ نے بتایا کیوں نہیں، تو انہوں نے جواب دیا: جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے: "انی كنت فى سورة أقرأها فلم أحب أن أقطعها" یعنی میں ایک ایسی روح پرور سورت کی تلاوت کررہا تھا کہ مجھے گوارا نہ ہوا کہ میں اسے بیچ ہی سے کاٹ دوں۔

دیکھئے: صحابہ کرام کو کس قدر شغف تھا قرآن مجید سے، کتنا جذبۂ احترام تھا، کیسا والہانہ لگاؤ تھا۔

بس اسی کو دیکھئے کہ ہماری موبائلیں قرآنی آیات سے تو ضرور بھری ہیں مگر کتنی مرتبہ ہم آیتوں کو کاٹ دیتے ہیں، کتنی مرتبہ یہ آیتیں ایسے مقامات پر بجنے لگتی ہیں جو قرآن کے تقدس وحرمت کے منافی ہیں۔ اس لئے ہمیں اس گناہ سے جو بظاہر بہت خوشنما ہے باز آنا چاہئے اور آیات یا احادیث کو رنگ ٹونس کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

وآخر الدعوانا عن الحمد لله رب العالمين۔

☆☆☆

(۱) والحديث أخرجه أبوداود، باب الوضوء من الدم، حسّنه الامام ناصر الدين الألبانى فى تعليق سنن أبى داود ص ۳۸، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع الرياض۔

**اخبار جامعہ وجماعت**

# جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم بنارس) میں ششماہی امتحان

جامعہ سلفیہ بنارس میں سال ۲۰۰۹ء کا ششماہی امتحان بتاریخ ۲؍ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸؍فروری ۲۰۰۹ء بروز سنیچر سے شروع ہوکر ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۲؍مارچ ۲۰۰۹ء بروز جمعرات ختم ہوگا، انشاء اللہ۔

نیز امتحان کی تیاری کے لئے ۲۸؍صفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۴؍فروری ۲۰۰۹ء سے ۱؍ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۷؍فروری ۲۰۰۹ء تک اسباق بندرہیں گے۔

(ادارہ)

# آل جھارکھنڈ تقریری انعامی مسابقہ

مقامی جمعیت اہل حدیث بڑپوکھر، برنپور ضلع پاکوڑ کے زیر اہتمام بتاریخ ۱۳۔۱۵؍دسمبر ۲۰۰۸م بروز سنیچر۔سوموار سہ روزہ آل جھارکھنڈ تقریری انعامی مسابقہ مولانا مفتی عبدالعزیز الحقانی (شیخ الحدیث جامعہ اصلاح المؤمنین برھیٹ صاحب گنج) کی زیر صدارت اور عبدالصمد انصاری کی زیر سرپرستی میں انعقاد کیا گیا۔ جس میں صوبۂ جھارکھنڈ کے طالبان علوم نبوت نے منتخب کردہ مندرجہ ذیل عناوین پر تقریر کی:

۱- بدعت اور اسکے مضر اثرات

۲- خدمت خلق اور اسلام

Science and Technalogy in the Sight of Islam

پروگرام کے دوسرے دن بعد نماز مغرب تا وقت فجر ہندوستان کے مایۂ ناز علماء کرام مولانا کوثر علی الفیضی، مولانا محمد اشفاق المدنی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، مولانا مطیع الرحمٰن چترویدی، مولانا فضل اللہ انصاری نے سامعین کو مختلف عناوین پر کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی قیمتی بیانات سے مستفید کیا۔

تیسرے روز بعد نماز مغرب صدر جلسہ، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم المدنی، مولانا عبدالرحیم عباس الفیضی (دہلی) اور مولانا حمید اللہ السّلفی کے ہاتھوں انعامات تقسیم کے گئے۔ فائزین طلبہ کو گرانقدر انعامات اور شھادۃ تقدیر سے نوازا گیا نیز تمام شرکاء طلبہ کو تشجیعی انعامات دیئے گئے۔ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے طلبہ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ پھر صدر محترم کے تأثراتی کلمات کے بعد پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

☆☆☆

# باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) معاشرے میں بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کا کپڑا (لنگی، پائجامہ، پتلون وغیرہ) عام حالات میں ٹخنے سے نیچے رہتا ہے۔

(۲) مسبل ازار کی نماز صحیح مانی جائے گی یا نہیں؟

شریعت میں ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر مشکور ہوں۔ والسلام

**الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:**

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ کپڑے (لنگی، پائجامہ، پینٹ، پتلون وغیرہ) کو ٹخنے سے نیچے کسی بھی شخص کے لئے کسی بھی وقت (حالت نماز میں ہو یا غیر نماز) جان بوجھ کر رکھنا جائز ودرست نہیں ہے بلکہ حرام ہے اور اس کا لٹکانے والا گناہ کبیرہ کا مرتب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "ما أسفل من الكعبين من الازار ففي النار" (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار (۵۷۸۷)، نسائی (۲۰۷/۸)، مسند احمد (۴۱۰/۲) یعنی ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہوگا۔

اسی طرح ایک حدیث کے اندر اللہ کے رسول محمد ﷺ نے فرمایا: "ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم: المسبل إزاره والمنان فيما أعطى، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب" (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (۱۰۶) أبوداود (۴۰۸۷) ترمذی (۱۲۱۱)، نسائی (۸۱/۵)، أحمد (۱۴۸/۵) یعنی قیامت کے دن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا: (۱) اپنے ازار کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانے والا، (۲) احسان کرنے کے بعد احسان جتلانے والا، (۳) اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنے والا۔

اور ایک حدیث میں اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے: "لا ينظر الله إلى من جر ثوبه خيلاء" (صحیح بخاری، کتاب اللباس ح: ۵۷۱۳) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا بھی نہیں جو تکبر وفخر کی وجہ سے اپنا کپڑا (ٹخنے سے نیچے) لٹکائے۔

اس لئے ہر مسلمان مرد پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے اونچا رکھے خواہ وہ قمیص ہو یا تہبند، شلوار ہو یا پائجامہ اور ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے، افضل یہ ہے کہ کپڑا نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان ہو، اگر کپڑے کو از راہ تکبر وفخر لٹکایا

ہوتو گناہ بہت زیادہ ہوگا، اور اگر کپڑا محض غفلت وسستی کی وجہ سے لٹک گیا تو یہ بھی امر منکر ہے، اس سے بھی آدمی گناہ گار ہوگا، لیکن متکبر کی نسبت اسے گناہ کم ہوگا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کپڑے کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانا وسیلہ تکبر ضرور ہے، اگر چہ آدمی گمان یہی کرے کہ وہ تکبر کی وجہ سے نہیں کر رہا ہے اور پھر حدیث میں وعید عام ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں تساہل سے ہرگز کام نہیں لینا چاہئے۔

یہ یاد رہے کہ یہ حکم مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، بلکہ عورتوں کے لئے واجب ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو جرابوں یا کشادہ لباس کے ساتھ اپنے پاؤں کو ڈھانپ لیں، اسی طرح گھر میں اگر کوئی اجنبی مثلا اس کے شوہر کا بھائی یا گھر کا کوئی ملازم یا ڈرائیو وغیرہ ہوتو ہر قسم کے پردہ کے ساتھ ساتھ پاؤں کو بھی ڈھانپنا واجب ہے۔

(۲) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ مسبل ازار شخص کی نماز و وضوء صحیح ہے، کیونکہ آدمی نے نماز کے لئے جو واجب ہے مثلا ستر پوشی اس کو پورا کر دیا ہے، مزید یہ کہ کسی بھی محدث نے اسبال ازار کو نواقض وضوء یا مبطلات صلاۃ میں شامل نہیں کیا ہے، لذا ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کا وضوء اور نماز تو قائم رہے گی، لیکن اس ممنوعہ فعل کے ارتکاب کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ضرور ہوگا۔

لیکن بعض حضرات کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں نماز ہوگی نہ وضوء باقی رہے گا، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی وہ حدیث ہے کہ ایک آدمی اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "اذهب فتوضأ" جاؤ وضوء کرو۔ وہ گیا اور وضوء کر کے آیا تو آپ ﷺ نے پھر اسے وضوء کرنے کو کہا، پھر ایک آدمی کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: "أنه صلى وهو مسبل ازاره وان الله لا يقبل صلاة رجل مسبل" یہ اپنا تہبند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور بے شک اللہ تعالی (ٹخنوں سے نیچے) تہبند لٹکانے والے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے۔ (ضعیف ابوداود (۱۲۴)، کتاب الصلاۃ، باب الاسبال فی الصلاۃ، مسند احمد (۳۷۹/۵)

چونکہ یہ روایت ضعیف ہے، اس لئے یہ قابل حجت نہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: المشکاۃ ح:۷۶۱، (۲۳۸/۱)، نیل الاوطار (۵۹۹/۱) وغیرہ)

معلوم ہوا کہ مسبل ازار شخص کی نماز تو ہو جائے گی اور اس کا وضوء بھی باقی رہے گا، لیکن وہ اس فعل منکر کے ارتکاب کی وجہ سے سخت سزا کا مستحق ہوگا، اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس فعل قبیح سے بچائے آمین۔

| | |
|---|---|
| الجواب صحیح | ہذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم |
| محمد رئیس ندوی | حررہ: ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی |
| جامعہ سلفیہ بنارس | جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس |

☆☆☆